ابو البلاغت

رتن پنڈوروی

جانشین حضرت دِل شاہجہانپوری

سال اشاعت : ۱۹۸۱ء

کتابت : پونت چند شرما کلالغدی

مطبع : اعلیٰ پریس دہلی

قیمت : پندرہ روپے -/15

ملنے کا پتہ :- • شری رائے زادہ درباری لال - معصوم پٹھانکوٹ -
• شری آر-این رہبر ایم-اے-ایل-ایل-بی
ایڈوکیٹ مکان نمبر 1085 -
سرائیں محلہ - پٹھانکوٹ

یہی جلسے، یہی رونق، یہی رنگیں فضا ہوگی
رتنؔ اس بزم میں لیکن غزلخواں ہم نہیں ہونگے

قائل بعجز گشت ثنائے تو ہر کہ گفت
در ہستی تو رہ نبود قال و قیل را

نظیری

از ثنائے خالقِ کون و مکان یزدانِ ما
مظہرِ انوار گردد مطلعِ دیوانِ ما!

اِنتساب

سورگیہ پتا

شریمان پنڈت متھرا داس جی بھاردواج

کے نام

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

دیباچہ

ہوتی ہے پہلے دیکھیئے کس کو چتا نصیب
آئی ہے میرے ساتھ مری بیکسی کی لاش!

ناظرین مندرجہ بالا شعر پڑھتے ہی فانی بدایونی مرحوم کی طرح
اس میں قنوطیت کا غلبہ محسوس کریں گے لاریب وہ اِس معاملہ میں راستی پر ہیں۔
جو شخص اوّل سے آخر تک آلام و شدائد اور مصائب و مکائد کے بحرِ ذخار
میں تہ نشین رہا ہو، جس کے لیے اُٹھتی ہوئی موجوں، بہتے ہوئے دھاروں
بڑھتے ہوئے طوفانوں کی حشر خیزی راحتِ ساحل کا پیغام دے رہی ہو قدرتی
طور پر اُس کی ہر سانس برقِ بلا اور ہر بات قہرِ خدا کی مظہر ہوتی ہے -!
جملہ مذاہب کی کتبِ مقدسہ کا متفقہ ارشاد ہے کہ منزلِ تولید سے پہلے
بچہ شکمِ مادر کی تنگ و تاریک فضا میں اُلٹا لٹکا ہُوا اپنے خالقِ اکبر
کے حضور میں ہر ثانیہ دست بدُعا رہتا ہے اور عین اُسی عالم میں کارگزرانِ
قضا و قدر بچے کے دست و پا اور پیشانی وغیرہ پر ریکھاؤں کی شکل
میں اس کا نوشتۂ تقدیر مُرتّب کرتے ہیں۔ اس داد و دہش کی صلائے

عالم میں کبھی یہ فقیر حقیر سراپا تقصیر اپنی کوتاہ بختی اور محروم نصیبی کا نشاکی ذیل کا شعر پڑھ کر آتشِ یاس و حسرت کی شعلہ زنی کو ٹھنڈا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ ؎

میں کبھی بڑھا جو کاتبِ تقدیر کی طرف
آئی صدا یہ غیب سے کمبخت دور باش

گویا اِس ویرانۂ آباد نُما میں آنکھ کھولتے ہی ایک ایسی فضا نظر نواز ہوئی جس میں فرحت و مسرّت، گریاں، اور قلق و کرب، خنداں تھے۔ غم کھانے کو اور خونِ جگر پینے کو کافی تھا۔ بدنصیبی کی گود میں پرورش پائی۔ فاقہ کشی نے تعلیم دِلائی۔ سینکڑوں ناکامیوں نے کامیابی کی راہ دِکھائی اور ہر وقت کی اُفتاد نے ہمّت بندھائی۔ غم نے غم رُبائی کی تو بے نوائی نے ہم نوائی۔ بے سرو سامانی نے سامان عطا کیا تو بے زری۔ یاسِ پیہم۔ آہِ مسلسل کی انجمن آرائی نے سیرتِ خلوت کو جلوت بنا دیا۔ ترک تازانِ حوادث کی لحد کو بھی میری تماشہ گاہ تھی اور بےکسی پُشت و پناہ۔ ویرانوں نے میرے لیے ہاتھ پھیلائے اور بستی کے جلوے دِکھائے ـــــ آخر قدرت نے رحم کھا کر مدرّس بنا دِیا۔ پھر وقتِ مُعیّنہ پر سبکدوش بھی کر دیا۔ مجرد آدمی ہوں، دریائے بیاس کے کنارے ایک ویران مندر میں ایک جھونپڑی مجھے قصرِ کسریٰ کا لطف دیتی ہے۔ شاعری غریبی کا عطیہ ہے اور تنہائی میں میری ہم نشین۔

ہونے کو تو سب کچھ اپنے وقت معینہ پر ہوتا گیا لیکن اس جفا کشی، سخت جانی۔ بلا کوشی اور مصائب بردوشی نے صحت کا جنازہ جس انداز سے اُٹھایا، وہ بھی قابلِ صد عبرت ہے۔ بچپن کی تنگ دستی اور فاقہ مستی نے نرم و نازک پیٹ میں اُمّ الامراض (قبض)، کا سنگِ گراں ایسا مستحکم طور پر

رکھ دیا کہ آج تک انتڑیاں، معدہ، جگر، آنکھیں اور دماغ اپنی گراں جانی کی شکوہ سنج ہیں۔ اس پر شب بیداری نے زخم پر نمک کا کام کیا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دس سال کی عمر سے اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کرنا ایسے وقت میں شروع کیا کہ آج ستّر اسّی کے پیٹے میں پہنچ جانے پر بھی یہ مشغلہ اسی طرح جی کا جنجال اور جان کا وبال بنا ہوا ہے۔ حال آں کہ عمر بھر صرف ایک وقت کھانا کھایا۔ اب حال یہ ہے کہ دانت ایک لمبے عرصے سے دانت دکھا چکے ہیں۔ کان سماعت کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ آنکھیں بصارت کو آنکھیں دکھاتی ہیں۔ معدہ نے انہضام سے انکار کر دیا ہے۔ جگر بے جگری کے ساتھ بدظن ہو چکا ہے۔ دماغ "سدر دوار" کے موذی اور خوفناک بلکہ خطرناک مرض کی زد میں ہے۔ اس پر اکیلی جان۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ ان جسمانی حوادث و عوارض کا اظہار ایک رُباعی میں یوں کیا ہے ؎

تقدیر نے پہلے تو بصارت چھینی
لاغر سے بدن میں تھی جو طاقت چھینی
اس پر بھی نہ کمبخت کا ارماں نکلا
اب قہر یہ ڈھایا کہ سماعت چھینی

ایسے ہمت شکن اور صبر آزما حالات کے زیرِ اثر زاویہ نشینی و عزلت گزینی، طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ اس لیے مشاعروں میں شمولیت کا اتفاق بہت کم ہوا۔ البتہ احباب کا تقاضہ یا آب و دانہ جہاں کھینچ کر لے گیا، چلا گیا۔ اس معاملے میں حضرت سید میر پیرزادہ نکوڑی ایم۔ اے عملی طور پر میرے رہبر اور محسن ہیں جن کی سعیٔ بلیغ اور کوشش جزیل نے خاکسار کو اس ویرانے کی خاکِ مذلت سے اٹھا کر کوہستانِ شملہ کی سر بفلک بلندیوں سے روشناس کرایا اور

میری ہر شعری تصنیف کا اہتمام قلبی مسرت۔ دلی شوق۔ حقیقی رجحان اور کامل
جدوجہد سے عمل میں لا کر اس زاویہ نشین کو علمی و ادبی دنیا سے ہم آغوش
کیا۔ اس کے ساتھ ہی جناب رائے زادہ معصوم پٹھانکوٹی ۔ جناب نصیر البصری
جناب بے کس دہلوی۔ جناب شاد سرور گرونیہ پوری اور جناب جوش بسری برگونیہ پوری کا حسن سلوک اور
آخر سالی اور صلہ افزائی بھی قابل صد ہزار سپاس ہے۔ جناب معصوم پٹھانکوٹی صاحب نے
جملہ تصنیفات کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا ورنہ فقیر کے جھونپڑے میں تو دیمک
اور چوہے ایک ہی رات میں ان سب کو عدم آباد پہنچا دیتے۔ ان کے پہلو بہ پہلو
حضرت کوثر ہوشیار پوری اور حضرت آتم گورداسپوری کا خلوص طور پر قابل ذکر ہیں
ان جملہ محسنوں کے بل بوتے پر نرش نظر۔ بہشت نظر اور افکار نظر
کی اشاعت کے بعد آج چوتھا اور آخری مجموعہ کلام "پیام نظر" کے نام سے
ناظرین باتمکین کی خدمت میں حاضر کرنے کی جرأت کی جا رہی ہے۔ لیکن اس
پیشکش کو منصۂ شہود پر جلوہ گر کرنے سے پہلے چند حقائق کا اظہار بھی واجبات
سے ہے۔ وھو ھذا۔

مقام حیرت ہے کہ اکثر حضرات کے زعم میں شعر گوئی بہترین و مفید ترین
فنون سے نہیں ہے۔ وہ اپنے قول کے ثبوت میں یہ کلام الٰہی پیش کرتے ہیں
قوله تعالیٰ۔ الشعراء یتبعھم الغاوٗن۔ نیز
الشعر من ابلیس اور الشعر اکذاب وغیرہ وغیرہ
معترضین ان آیۂ کریمہ کے ماتحت شاعری کو بے کار۔ فضول اور تضیع اوقات
بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے کیوں کہ جو کچھ اسلامی
شاعری کے خلاف پیش کی گئی ہیں وہ ان شعرا پر صادق ہوتی ہیں جو آں حضرت
صلعم اور اسلام کی مذمت میں شعر کہتے تھے۔ اور منافقین و مشرکین ان اشعار کو

مذہب اسلام کی تذلیل کی غرض سے پڑھتے تھے جیسے زمانۂ جاہلیت کے شعرا
سے ابن نغرہ و ہبیرہ وغیرہ تھے۔ اور مزامیر ابلیس سے مراد وہ اشعار ہیں جو
شعرا منفق و مجور کی تائید میں اور ہزل گوئی کے طور پر کہا کرتے تھے۔ حضرات
مفسرین اس قول الٰہی یعنی "الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات"
سے غافل ہیں۔ مزید براں احادیث معتبرہ میں شعرا کی بہت کچھ تعریف کی گئی
ہے۔ جس سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ اگر فن شعر فی الحقیقت
معیوب ہوتا تو شارع کرام اس طرف کبھی توجہ نہ فرماتے اور رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم شعر نہ پڑھتے۔ چنانچہ مسعود کا قول ہے کہ خندق کھودتے
وقت آں حضرت صلعم رجز فرماتے تھے ؎

انا النبی لاکذب   انا ابن عبد المطلب

ابن رواحا سے آں حضرت صلعم اشعار پڑھوایا کرتے تھے نیز غالباً حسان
بن ثابت بیر ملہ تحسین عنایت فرماتے اور اس کے حق میں اللھم ایدہ بروح
القدس فرماتے تھے۔ خزانۂ عامرہ میں مرقوم ہے کہ انصار بنر شاعر اور بار شاعرہ
عورتیں آں حضرت صلعم کی صفت وثنا کرتے تھے۔ چنانچہ کعب ابن زہیر
نے آں حضرت صلعم کی مدح میں شعر پیش کیا تو آپ نے بجائے لفظ
سیوف الہند کے سیف اللہ اصلاح فرمائی اور اس صلے میں اپنی ردائے خاص
عنایت فرمائی۔ روضۃ الاحباب و صحیح بخاری میں مرقوم ہے کہ غزوہ احد
میں ابو سفیان نے ایک بلندی پر چڑھ کر اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا ؎

اُعْلُ ھُبَل   اُعْلُ ھُبَل

جو بروزن مُستفعلن مُستفعلن ہے اور جس کا ترجمہ ہے:-
بلند رہ اے ہُبَل۔ بلند رہ اے ہُبَل" اس پر سرور عالم نے فرمایا

اللّٰہ اعلیٰ و اجلّ

جو بروزن مستفعلن مفتعلن کے ہے۔ جس کا ترجمہ ہے۔

"خداوندِ عالم بلند اور بزرگ تر ہے"

پھر ابوسفیان نے کہا ؎

العُزّٰی لنا ولا عُزّٰی لکم۔

جو بروزن مفعولن۔ مفاعلن۔ مستفعلن ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے۔
"عزّیٰ ہماری مدد کرے گا۔ اور تمہاری مدد عزّیٰ نہ کرے گا" اس کے جواب میں
سردارِ مدینہ نے فرمایا "مولانا و لا مولا لکم۔ جو بوزن تین مستفعلن کے
ہے۔ ترجمہ۔

"خداوند عالم ہم سب کا مولا ہے۔ اور تمہارا کوئی مولا نہیں"
پس اس سے عیاں ہے کہ پیغمبر دو عالم صلعم نے بالقصد شعر فرمایا ہے
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعر گوئی عصمت انبیا کی مانع نہیں۔
کامل التواریخ اور زین القصص میں مذکور ہے کہ جب ابنائے آدم
میں عناد پھیلا اور قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو حضرت آدم
علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بطور مرثیہ کچھ اشعار نظم فرمائے اور آدم صفی
کا شاعر ہونا ایک امر مدلل ہے۔ مرزا صاحب جبھی تو فرماتے ہیں۔ ؎

آں کہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود
طبع موزوں حجت فرزندیٔ آدم بود

اس کی تصدیق خسرو دہلوی اس طرح فرماتے ہیں ؎

با ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم
دل بایں محنت ز خود دادہ ایم

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصائد مشہور ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ناواقفیت شعر گوئی پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ حضرت علی کے دیوان قصائد مشہور ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتم میں مرثیہ نظم کیا۔ صواعق محرقہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار موجود ہیں جو شاعری کی عظمت و پاکیزگی کو ظاہر کرتے ہیں چنانچہ فرید الدین عطار فرماتے ہیں ؎

شاعری جزو یست از پیغمبری
جاہلانش کفر خوانند از خری

جس فن کو اولیا انبیاء اور مشائخ و علماء نے مستحسن قرار دیا ہو اُس کے قلم کار پر لازم آتا ہے کہ وہ بلند نظر، بلند اخلاق، بلند خیال۔ وسیع القلب اور پاکیزہ جذبات کا حامل ہو کر اپنے آپ کو اس فن کے اہل ثابت کرے جیسا کہ نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ میں فرماتے ہیں۔

شاعری صناعتے است کہ شاعر بداں صنعت اتساق مقدمات موہمہ کند والتام قیاس نتیجہ۔ براں وجہ کہ معنی خورد را بزرگ کند و بزرگ را خورد و نیکو را در لباس زشت و زشت را در حلۂ نیکو جلو ہ دہد و بایہام قوت ہائے غضبانی و شہوانی برانگیزد تا بداں ایہام طبع را انبساطے و انقباضے بود و امور عظام را در نظام عالم سبب گردد۔

ماہیت شاعری پر نظر ڈالنے کے بعد نظامی عروضی صاحب خصائل شاعر کی نسبت یوں رقم طراز ہیں۔ اما شاعر باید کہ سلیم الفطرت۔ عظیم الفطرت۔ صحیح الطبع۔ جید الرویۃ۔ دقیق النظر باشد۔ در انواع علوم متنوع باشد۔ زیرا کہ شعر در ہر علمے بکار ہمی شود و ہر علمے در شعر بکار ہمی

شود۔ شاعر باید کہ در مجلس محاورات خوش گوئے بود و در مجلس معاشرت خوش
روئے باید کہ شعر او بداں درجہ رسیدہ باشد کہ صحیفۂ روزگار مسطور باشد"
نظامی صاحب کے بیان سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ شاعر بیک
وقت شاعر کامل بھی ہو اور ادیب لبیب بھی۔ فلسفی بھی ہو۔ اور عالم باعمل
بھی ہو مرتاض باکمال بھی ہو۔ اور عز لیات سے مالامال بھی ہو۔ اور محقق بھی
ہو لیکن [illegible] سیرت بھی ہو پاک طینت بھی ہو۔ اس کی محبت میں غیرت
و حیا اور شرافت و متانت کے ساتھ ساتھ والہانہ تاثر بھی بدرجہ اتم
موجود ہو اور حقیقی عشق کا حقیقی و فطری سوز و گداز اشعار میں جابجا
نظر آئے۔ اس کا فنی شعور، علمی لسانی تجسس، صالح تغزل اور
شعری رکھ رکھاؤ اس کی شاعری کو سطحی و تبدیلی خیالات و
احساسات کی رکاکت سے پاک و صاف کر کے اس ارفع قیام پر
جلوہ گر کرے۔ جہاں مجاز میں حقیقت کی تجلیات مصنوعی و فطری
شاعری کا فرق نمایاں کر کے یہ ثابت کر دکھائیں کہ تنزل کی بنا پر مجبور
اور معصوم [illegible] پر رکھی گئی ہے۔ وہ مادی جذبات جو صرف ہیجانِ نفس
کی گود میں پرورش پاتے ہیں تغزل کے لیے غیر موزوں ہیں
گویا [illegible] شاعری حقائق و معارف و فلسفہ و اخلاق کا ایک ایسا
آئینہ ہو جس میں ماضی، حال اور مستقبل کا صحیح ادراک ہو سکے۔ اس
بلند اور لطیف محاکات سامعین کی روح میں کیف و تسکین کی موج
پیدا کر سکیں۔ اس کا کلام وطن اور فرزندانِ وطن کے لیے ایک
ابدی پیغام [illegible] فطرت کی مصوری، جذبات نگاری۔ اثر پسندی۔
اور واقعہ [illegible] کے ہمراہ تصوف کی پاکیزہ خیالی اور فلسفہ کی نکتہ سنجی

دل پر اثر انداز ہو۔ الغرض شاعرؔ اپنے فن میں انتہائی رنگین مزاج اور ہمہ گیر واقع ہو۔ کہیں تو وہ واعظ نظر آئے کہیں رند پارسا۔ کہیں عاشق زار ہو اور کہیں ناصح مشفق۔ کہیں منطقی ہو تو کہیں عارف باللہ۔ مگر ہر مقام اور ہر حال میں دل درد اور قلبی ایثار کو پہلو میں لئے انسانیت نواز اور ہر درد کا چارہ ساز نظر آئے۔

حقیقی شاعر کا کلام رنگین اور دلچسپ امتزاج کا کرشمہ ساز ہوتا ہے۔ ایک طرف اگر وہ بزم رنداں کو گرماتا ہے تو دوسری طرف صوفیائے کرام کے سینے کو برماتا ہے۔ کہیں ساغر و مینا کی صدائے دلکش سامع نواز ہے تو کہیں حضرت واعظ سے ساز باز ہے ادھر کسی کا جمال جہاں فریب برق پاشیاں کر رہا ہے تو ادھر حسن حقیقت خود عشق کا دم بھر رہا ہے ایک جگہ شغل بادہ و شاہد میں خم کے خم لنڈھائے جا رہے ہیں تو دوسری جگہ زہد و تقویٰ کے دریا بہائے جا رہے ہیں۔ کہیں فلسفہ و حکمت کہیں اخلاق و موعظت کہیں سیاست و کائنات کے نت نئے احساسات ہیں اور کہیں اجتماعی زندگی کے جدید رجحانات، حسن و عشق کی مجازی عریانیوں کے ساتھ حقیقت کی نقاب پوشیاں بھی ہیں اور محبوب کی سرد مہریوں کے پہلو میں عاشق کی گرم جوشیاں بھی۔ یاس و قنوط ہے تو نشاط انبساط بھی۔ صبح پیری ہے تو شام جوانی بھی۔ آرزوئے موت ہے تو توجہ زندگانی بھی۔ کہیں مؤرخانہ شواہد ہیں تو کہیں منطقیانہ دلائل تاثرات کی تخلیق بھی پہلو بہ پہلو جذبات کے تطبیق بھی ہے اور پیام

محبت کے لباس میں کاوش فرقت کا چرچہ کھی۔ کہیں وجہ آفرین ترنم ہے اور کہیں کیف پرور موسیقیت کی لے الغرض مضامین تنوع بھی موضوعات کی کثرت۔ خیالات کی وسعت جذبات احساسات کی فراوانی۔ جدید اسالیب بیان کی دل نشین اس کو گلہائے قلموں کا خوب صورت وخوش نما گلدستہ بنا دیتی ہے۔

شاعری کا ایک مشترک ومستقل اصول یہ ہے کہ جذبات وکیفیات انسانی جوش میں آکر جب ادبی پیکر اختیار کر لیتے ہیں تو شعر کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ خیالات ومضامین جب تخیل ومحاکات اور وزن وقافیہ کے ساتھ ادا ہو جائیں تو یہی شاعری ہے۔ قدیم مذاق سخن میں بہت سے لفظی۔ معنوی۔ خیالی جذباتی اور اخلاقی نقائص تھے۔ ساتھ ساتھ نادر تشبیہات اور دور از کار استعارات کو حاصل شاعری سمجھا جاتا تھا لیکن مذاق تسلیم شاعری کو ان سطحی حدود سے اٹھا کر منتہائے کمال تک پہنچانے کا حقیقی دعوی دار ہے اور اس امر متحقق کا سختی سے معتقد ہے کہ جب تک ہم اپنی شاعری کو مفید مہذب اور با اثر نہ بنائیں گے ہم اپنے تغزل میں رفعت۔ اپنی نظموں میں شوکت۔ اپنے خیالات میں بلندی پیدا نہ کر سکیں گے۔

یہی پاکیزہ خیالات۔ ارفع جذبات اور منزہ احساسات پہلو میں لئے یہ فقیر شاعری کی دنیا میں وارد ہوا۔ مصائب وشدائد کا ہر پیچ اور مکروہات روزگار کا دامن تو تھا ہی، آلام وآفات مونس تو اشک ہائے خونیں ہم داستاں۔ نادری ہم سفر تو مفلوک الحالی رہبر آخر یہی تباہ حالی

حالی شاعری کا مدار اعجام ثابت ہوئی اسی پر تلاش حقیقت طلب و ذوق جستجوئے منزل سونے پر سہاگ کا کام کر گئی۔ اسی تگ و دو میں مذکورہ بالا محسنین کی دست گیری کے طفیل تین مجموعے حلۂ اشاعت سے متجلی ہو کر شائقین کے شرف مقبولیت سے مشرف ہو چکے ہیں چوتھا اور آخری مجموعہ ناظرین کے قدموں میں پیش کرنے کی جرأت کی ہے اب یہ امر ناظرین و شائقین ادب پر موقوف ہے اس پر نظر کیمیا اثر مبذول فرماتے ہوئے حسن قبول سے منور و مجلیٰ فرمائیں یا قابل نفرین جان کر نظروں سے گرا دیں خاک ساز تو اب لب ساحل ہے اور انتہائی طمانینت کے ساتھ موج اجل کا منتظر۔ دیکھئے کب ایک تھپیڑا اپنی گود میں اٹھا لے جا کر تہ نشین کر دے ایسے عالم میں قارئین کرام کی خدمت فیض درجت میں کمال عجز و انکسار التجا ہے کہ اس سراپا تقصیر گوشہ گیر فقیر کو انسان سمجھ کر عفو تقصیر سے نوازیں اور اس کا آخری سلام نیاز قبول فرماتے ہوئے دعائے خیر سے سرفراز فرمائیں۔

زیادہ نیاز والسلام

ولم امید فراوان ز وصل روی تو داشت
ولی اجل بره عمر رہزن امل است

خاک نشین رتن پنڈوری

فہرست تصنیفات مصنف کتاب ہٰذا

مطبوعہ

۱۔ فرش نظر:۔ پہلا دیوان۔ جو دلکش نظمیات۔ روح پرور غزلیات اور کیف آور رباعیات کا نادر مجموعہ ہے۔ ناظرین کو ہر قدم پر ہیر کا درد۔ داغ کی زبان اور امیر مینائی کا تخیل یکجا ملے گا۔ ملک کے نامور و سربرآوردہ علماء۔ ادباء، شعراء اور مسلم الثبوت اساتذہ نے اپنی گراں قدر آراء سے نوازا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں سندھ پبلیکیشنز پٹھان کوٹ نے شائع کی۔

۲۔ بہشت نظر۔ دوسرا دیوان ضخامت ۲۹۶ صفحے مجلد اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محکمہ السنہ پنجاب نے اس پر پانصد روپیہ نقد انعام عطا فرما کر مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر جناب راجندر ناتھ رہبر پٹھان کوٹی کی سعی جمیل اور کوشش جزیل سے جناب ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے حسب حکم 3/26-74AP چنڈی گڑھ کالج، ہائی اسکول، ہائر سیکنڈری اسکول۔ اور سماج سدھیہ کیندر کی لائبریریوں کے لئے منظور فرمایا

۱۹۷۴ء میں پنجاب اردو اکاڈمی چنڈی گڑھ ۳۲/۹ سیکٹر ۲۱ ڈی نے شائع کی۔

۳۔ اندازِ نظر۔ تیسرا دیوان۔ اس کی ترکیب جناب راجندر ناتھ پٹھان کوٹی کی سعیِ بلیغ عرق ریزی اور حسن نظر کی مرہونِ منت ہے۔ محکمہ السنہ پنجاب نے ازراہ قدردانی اس کتاب پر پہلا انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ عطا فرما کر اردو نوازی۔ ادب پروری اور مصنف کی حوصلہ افزائی کا ثبوت دیا۔ ساتھ ہی اربابِ بصیرت دلکشاد کے ذوق سلیم اور رفعت نقد و نظر کی صداقت ظہور پذیر ہوئی۔ جناب رائے زادہ معصوم پٹھان کوٹی نے پٹھان کوٹ سے ۱۹۷۰ء میں شائع کی۔

۴۔ پیامِ نظر۔ چوتھا اور آخری دیوان جو ناظرین بابِ سخن کے مبارک ہاتھوں میں ہے

۵۔ گلشنِ اردو۔ ۱۹۷۱ء میں میسرز راج کمار کھلر اینڈ سنز سندر محل شملہ نے شائع کی۔ ہماچل پردیش کے ہائر سیکنڈری اسکول کے اردو خواں طلباء کی خضر طریق اور مشکل کشا ہے سات سو صفحات کی یہ ضخیم کتاب اردو سے متعلق ایجوکیشن بورڈ کے سلیبس کے ماتحت ہر قسم کی واقفیت بہم پہنچاتی ہے گرائمر۔ نظم و نثر کی اقسام، معانی و مطالب کی ادائیگی۔ تصیح اغلاط، انشاء پردازی مضامین کے نمونے۔ محاورات۔ تمثیلات تشبیہات کا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے مثالیں اساتذہ کے اشعار سے دی گئی ہیں۔

۶۔ لطائف الادب۔ ۱۹۷۰ء میں مدیر ماہنامہ رہنمائے

تعلیم دہلی کے زیر اہتمام شائع ہوئی اس میں داغ دہلوی سے لیکر دور حاضر تک کے شعراء سے متعلق ادبی لطیفے جمع کئے گئے ہیں۔ ہر لطیفے میں ادب و فن تحقیق زبان محاورات حاضر جوابی بدیع گوئی اور عروض کے وہ نکات بیان کئے گئے ہیں جن سے ہر مبتدی و منتہی استفادہ کر سکتا ہے۔

۷۔ نورتن۔ مکتبہ خانہ انجمن ترقی اردو دہلی سے ۱۹۵۲ء میں چھپی۔ اس میں نو ادبی فنی، تحقیقی، تنقیدی اور لسانی مضامین شامل ہیں۔ ہر مضمون میں اس قدر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ ہر مقالہ جائے خود ایک کتاب معلوم ہوتا ہے یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے اردو امتحان ادیب کے نصاب میں کئی سال شامل رہ چکی ہے۔

۸۔ دستور القواعد اردو۔ اردو گرامر کی ضخیم و مفید ترین کتاب ۱۹۴۶ء میں کرشنا بک ڈپو موہن لال روڈ لاہور سے چھپی۔ اس میں طلبہ کی دلچسپی کے لئے مستند اساتذہ کے کلام سے مثالیں اشعار میں دی گئی ہیں۔ دسویں جماعت کے علاوہ کالج کے اردو خواں طلبہ اور ادیب فاضل کے امیدواروں کے لئے شافی تحفہ ہونے کے علاوہ اردو کی صرفی و نحوی دنیا میں حرف آخر کا حکم رکھتی ہے۔

۹۔ پیغام اصلاح دیہات۔ دیہات سدھار سے متعلق چار سو صفحات کی ضخیم منظوم کتاب خواجہ عزیز الدین احمد ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکولز گورداسپور کے تعمیل میں لکھی

اور سنہ [illegible] میں طبع ہوئی

۱۰۔ **رہنمائے ادب**۔ میٹرک کے طلبہ کے لئے سنہ ۱۹۱۰ء میں کرشنا بک ڈپو موہن لال روڈ لاہور سے شائع ہوئی اردو کی درس و تدریس کا درست طریق۔ نثر و نظم کی اقسام۔ مطالب و معانی۔ انشاء پردازی۔ مضامین کے نمونے۔ صحت تلفظ۔ امتحانی سوالات کے جوابات کا درست طریق۔ قواعد اردو۔ غرض کہ اردو پڑھنے پڑھانے کے لئے ہر قسم کا مواد جمع کیا گیا تھا۔ طلبہ کے علاوہ اساتذہ اردو کی محب خواص اور وسیع رہ نما تھی۔

۱۱۔ **معاون الادب**۔ میٹرک کے طلبہ کے لئے سنہ ۱۹۱۹ء میں بمقام قادیاں چھپی۔ اس میں فارسی قواعد کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی الفاظ کی جمع کے طریق سمجھائے گئے ہیں اور ہزاروں الفاظ کا صحیح تلفظ بتا کر ان کے معانی اور جمع درج کی گئی ہے۔ فارسی پڑھانے والے اساتذہ کے لئے ایک زندہ ساتھی اور غمگسار تھی

۱۲۔ **بہار حساب**۔ مڈل اسکول کیلئے ۱۹۲۱ء میں ملک راج ڈگل آف بٹالہ نے شائع کی۔ اس میں حساب کے معنی خیز۔ فارمولے اور پیچیدہ سوالات کو حل کرنے کے آسان طریقے درج تھے محکمہ تعلیم کے منظور شدہ نصاب کے مطابق ہر طریقے کے سوالات کا ذخیرہ موجود تھا۔ طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے حقیقی رہنما تھی طلبہ تو اسے حرز جان بنائے رہتے تھے۔

۱۳۔ **گلزار حساب**۔ پرائمری اسکول کے لئے سنہ ۱۹۲۷ء میں ملک راج ڈگل آف بٹالہ نے شائع کی یہ کتاب پرائمری کے بچوں کیلئے مختصر طریق۔ ضامن کامیابی اور حساب کی تعلیم میں حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔

غیر مطبوعہ

۱۔ مضامین رتن۔ اس میں علمی ادبی فنی، لسانی تاریخی تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا ذخیرہ بھر دیا گیا ہے۔

۲۔ داستانِ ادب۔ اردو ادب کی مختصر مگر جامع تاریخ ہے پرانے تذکروں میں جو فروگزاشتیں ہوئیں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۳۔ شرحِ دیوانِ غالب۔ دیوان غالب کی بہترین شرح ہے

۴۔ تذکیر و تانیث۔ اردو میں تذکیر و تانیث کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ اس کتاب میں اس مسئلہ سے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے۔ مستند اساتذہ کے کلام سے مثالیں دی گئی ہیں۔

۵۔ پیغام عمل۔ قومی ملکی اور تعمیری نظموں کا مجموعہ جس کا ایک ایک شعر تیر و نشتر بن کر نوجوانان وطن کے دل میں اترتا ہوا جذبات حبّ وطن کو جوش زن کرتا اور خون کو گرما دیتا ہے۔ پرائم منسٹر شری لال بہادر شستری مرحوم نے اس کتاب کا مسودہ پڑھ کر صد روپے عطا فرمائے اور شری رام کشن سابق چیف منسٹر پنجاب نے دو صد روپے سے نوازا۔

۶۔ ہندی کے مسلمان شعراء با تصویر

اس میں ہندی زبان کی تحقیق۔ مسلمان بھائیوں کا اس سے

تعلق اور خدمت۔ مسلمان شعرا ہندی کے سوانح حیات مع تصویر دیئے گئے ہیں۔ ایک ہزار صفحات کا ضخیم مسودہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کی اشاعت کا وعدہ فرمایا تھا لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ تذکرہ بے کسی عالم بستے میں لپٹا ہوا مصنف کی کس مپرسی، مفلوک الحالی اور معذوری کا ماتم کرتا رہا۔ مقام شکر ہے کہ اب اردو دوست ادب نواز اور بتصویر ایثار جناب سرور تونسوی مدیر شان ہند دہلی اس کے حال زار پر رحم فرماتے ہوئے اس کی طباعت کا اہتمام فرما رہے ہیں۔

۷۔ گرداب۔ فارسی کلام جو دیمک کا ناشتہ بن چکا ہے۔

۸۔ سرمایہ بلاغت۔ حضرت واجد رنا تھ رہبر پٹھان کوٹی کے ایما سے لکھی دیکھیے وہ کب چھپواتے ہیں اس کتاب کے ابواب کی تفصیل یوں ہے ۱۔ ادب اردو کے مختلف ادوار میں لسانی تبدیلیاں اور عہد بعہد کے متروکات لفظی و معنوی۔ ۲۔ علم بیان ۳۔ علم معانی ۴۔ فصاحت و بلاغت ۵۔ اصناف سخن ۶۔ محاسن سخن ۸۔ فن عروض۔ اس کی تیاری میں انتہائی تحقیق و تجسس کد و کاوش اور عرق ریزی کی گئی ہے۔

۹- گنج ادب- ادیب فاضل کے امیدواروں کے استفادہ کی خاطر مرتب کی۔

۱۰- کلید ادب- امیدواران امتحان منشی فاضل کی رہنمائی کے لئے لکھی۔

۱۱- مقالات فارسی- فارسی مضامین کا مجموعہ جو منشی فاضل کے امیدواروں کے لئے مفید ہے۔

۱۲- کلید ترجمہ فارسی- امتحانات فارسی کے امیدواروں کے لئے فارسی ترجمہ کی کتاب۔

۱۳- شری بھگوت گیتا کا اردو منظوم ترجمہ- شری بھگوت گیتا ایسی روحانی و ہردل عزیز کتاب کا اردو منظوم ترجمہ جو مثنوی کی بحر میں سلاست کا نمونہ اور معرفت کا گنجینہ ہے۔ (سرِ معرفت) کے تاریخی نام سے زیر ترتیب ہے

۱۴- جیمنی اشومیدھ کا اردو منثور ترجمہ

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری
قدرِ گل بلبل شناسد قدرِ قنبر را علیؑ

عطیّات

تقریظ

از قلم معجز رقم ضمیر الشعراء امین الفن۔ ابوالحسن۔ حضرت طرفہ قریشی بھنڈاروی جانشین علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم

کسی عالم متبحر۔ اونچے ادیب۔ بلند مقام شاعر۔ تہہ دار فلسفی یا ماہر نفسیات کی شخصیت پر خوش قسمتی سے جب کبھی اظہار خیال کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے تو سب سے پہلے تبصرہ نگار کو پورے انہماک اور غور وخوض کے ساتھ اپنے مبلغ علم اور صلاحیتوں کا بھی جائزہ لینا پڑتا ہے۔ اور جب شخصیت ہر جہت سے تہہ دار اور ہمہ گیر ہو تو پھر نہ پوچھئے کہ مبصر کے چہرے پر کتنے اتار چڑھاؤ آتے ہیں اس کا زعم ہمہ دانی کتنی بار عرق آلود ہوتا ہے اور اسے اپنے توسن قلم کو کتنی بار مہمیز لگانے پڑتے ہیں۔ درایت کو روایت کی گوشہ گیری اور دانشوری کی انا سامانیوں کو کتنی بار عجز فلاح کا سہارا لینا پڑتا ہے

آج جس بزرگ شخصیت پر خامہ فرسائی کی سعادت مجھے نصیب ہوئی ہے وہ اتنی ہمہ گیر ہے کہ جس کی ادیبانہ انفرادیت۔ شاعرانہ بلندی۔ علمی تبحر اور لسانی و عروضی ہمہ گیری کا اعتراف ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی۔ اعتبار الملک حضرت دل شاہ جہان پوری۔ حضرت جگر بریلوی۔ حضرت جوش ملسیانی۔ حضرت منور لکھنوی۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی پنڈت تلوک چند محروم۔ منشی گوپی ناتھ امن لکھنوی۔ حضرت نجم آفندی

پروفیسر احتشام حسین، پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ علامہ ابرار حسین گنوری اور ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی جیسے باکمال ادبا، اساتذہ فن اور شہرۂ آفاق نقادوں نے پوری صداقت کے ساتھ فرمایا ہے۔

مجھ ہیچمدان میں اتنی اہلیت وصلاحیت کہاں کہ ایسی شاعرانہ ادیبانہ، عالمانہ اور بزرگانہ زندگی کی حد بندی کر سکتے۔ قبلہ رتن صاحب کی زندگی کے جس شعبے پر نگاہ ڈالئے ایک عجوبہ اور معجزہ نظر آتا ہے۔ بچپن سے لے کر موجودہ عمر تک ان کے جس گوشہ کو دیکھئے۔ درس عبرت، اولوالعزمی، ارجمندی، صبر وقناعت عبادت وریاضت ایشور بھگتی اور انسان دوستی سے ہم کنار دکھائی دیتا ہے۔ ذات پات کا بھید بھاؤ اور نسل وخون کا امتیاز ان کے مسلک میں شیطانی افعال ہیں۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی تفریق کو وہ محض دنیاوی کاروبار اور ذہنی شعبدہ گری سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ ہر مذہب کو توحید پاکیزہ نظام اور ہر ملت کو نسل آدم کا متوازن رشتہ تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دیگر مذاہب کا جو احترام ہے اتنے ہی وہ مذہب اسلام سے بھی قریب معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں وہ صوفیانہ زندگی اور توحید کے علمبردار ہیں وہیں رسالت انبیا اور بزرگان اسلام کے بھی مداح ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلعم کی ذات ستودہ صفات سے کس عقیدت کا اظہار فرمایا ہے سہ

آیا ہے لب پہ نام رسول کریم کا ۔۔۔ جلوہ تڑپ اٹھا ہے ریاض نعیم کا

بحرِ حمد میں لاکھ ہوں لولوئے شاہوار۔ کچھ رنگ روپ اور ہے دُرِّ یتیم کا
اللہ رے خاکِ بیتِ مقدس کا مرتبہ۔ مسجود ذرّہ ذرّہ عرشِ عظیم کا
وحدت کو ناز کیوں نہ ہو احمد کی ذات پر سمجھایا جس نے راز الف لام میم کا
شاہد نہ ہو سکا کبھی مشہود سے الگ نورِ خدا ہے نورِ رسولِ کریم کا
کیونکر بیان ہو مدحتِ خیر البشر رتن
ہے تنگ قافیہ مری طبعِ سلیم کا

عقل حیران اور ذہن پریشان ہے کہ ان کی زندگی کے کون سے گوشے پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے اور کون سے شعبے سے سرسری طور پر گذر کر حقِ صداقت ادا کیا جائے۔ ہر گوشہ قابلِ عبرت اور ہر شعبہ موجبِ حیرت ہے علمی۔ ادبی۔ شعری لسانی ذہنی تبحر کی بات ہو تو بزرگانِ سلف اور اکابر حاضر کی مثال کا سہارا لیکر اپنے مقاصد کی حصار بندی کو ہم کنار تکمیل کر کے اس ضروری فرض سے خلاصی حاصل کر سکے۔ لیکن جب شخصیت کے مختلف گوشے ہوں اور ہر گوشہ درس و عبرت کا مرقع۔ بصارت و بصیرت کی معراج حمیت انسا[illegible] اور طہارت لاثانی کا آئینہ دار ہو تو خود اپنے علم و آگہی بصارت بصیرت پر اظہارِ افسوس اور ندامت کم مائیگی کے احساس و اظہار کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

حضرت رتن پنڈوری[illegible] نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر اور ایک باکمال ادیب نہیں بلکہ ہندی۔ اردو فارسی عربی سنسکرت کے سند یافتہ عالم۔ ماہر نفسیات اور علم نجوم کے ملنے ہوتے استاد بھی ہیں علم عروض اور فنون شاعری میں موصوف کو جو کمال حاصل ہے وہ عصر حاضر کے ماہرین فن کے حصے میں بہت کم آیا ہے۔ قواعد زبان اور عروضی نوک پلک پر اپنی گہری نظر رکھتے ہیں کہ ان کے کلام میں کہیں متقابلہ ہو تو بھی کوئی سقم نظر نہیں آتا

انہیں افتخار الملک حضرت دل شاہ جہان پوری مرحوم جانشین امیر مینائی مرحوم اور حضرت جوش ملسیانی مرحوم آخری یادگار داغ دہلوی دونوں باکمال اساتذۂ فن سے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور اس تقلید و تعلق کی بنا پر وہ اسی شاعری کے سچے علم بردار ہیں۔ لیکن ان کا یہ روائتی اسلوب محض روائتی نہیں ہے۔ اس پر ان کی اپنی فکر و تلاش اجتہاد و ندرت اور ذہنی و فطری ذہانت بدرجۂ اتم غالب ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

کیا یہ انداز انہیں تو نے سکھا رکھے ہیں؟ - کیوں رلاتے ہیں یہ ہنستے ہوئے تارے مجھ کو؟
وہ اپنے وعدے پہ کھاتے تو ہیں خدا کی قسم - کسے خبر ہے خدا درمیاں رہے نہ رہے
سنگِ طفلاں کو مری افتاد کیا مرغوب تھی - سر کا اٹھنا تھا کہ اس کے ساتھ ہی پتھر اٹھا
شراب عشق کی پاکیزگی میں شک نہیں ہرگز - مگر افسوس ہر مے کش سے یہ چھانی نہیں جاتی
مبارک ہو اے دل تجھے تہ نشینی - بس اب میں کنارے لگا چاہتا ہوں
مائل وہ ہو چکے ہیں کرم کا ہے انتظار - اتنا کیا ہے میں نے تو اتنا خدا کرے
خلد کا لالچ دیئے جاتا ہے شیخ - اس پہ کہتا ہے میں بہکاتا نہیں!
ایک ہی گھر میں عداوت کا یہ منظر دیکھئے - آنکھ میں پانی بھرا ہے شعلہ زن ہے دل میں آگ
چشم تر کی اشک باری کا تلاطم دیکھ کر - ڈوب مرنے کو ہے پانی میں گھٹا برسات کی
غم نہیں تو دل میں یادِ غم ہے اب - تیر نکلا بھی تو پیکاں چھوڑ کر

لکھنوی اور دہلوی اسکولوں سے تعلق رکھنے کی بنا پر وہ بظاہر خالص روائتی تغزل کے محافظ اور حاشیہ کار معلوم ہوتے ہیں اور ان کے فکر و فن اور شاعری کی بنیاد قدما اور اساتذہ سلف کے اصول و قواعد ضابطے۔ فکر و خیال کی اناقیت۔ رعنائی فراست۔ برجستگی۔ خوش آہنگی۔ شگفتہ بیانی۔ زبان و فن کی سلیقہ مندی۔ مناسب اور درست علامات۔ خارجی و داخلی کیفیات۔

جمالیاتی عناصر۔ اسلوبِ نگارش۔ حسن و عشق کے فطری تقاضے لفظی نشست و برخاست ۔ نزاکتِ تخئیل ۔ بیان کی ندرت ۔ زبان کی صفائی اجتہادی تنوع ۔ عروضی رموز نکات کی ہمہ گیری ۔ اور قدیم قواعد و ضوابط کی احاطہ گیر اور عکاس ہے ۔ لوازماتِ شعری ۔ محاکات اور فنی ارتقا اُن کی نگارش کا طرۂ امتیاز ہے ۔ انہیں اپنے معاصرین میں نمائندگی کا پورا حق پہنچتا ہے ۔ اور ادب و شعر کی ان ضروریات پر انہیں مکمل دسترس حاصل ہے وہ ہر صنفِ شعر اور ہر شعبۂ حیات کے تقاضوں میں غنائی ربوبیت اور تغزل کے تاثر کا پورا خیال رکھتے ہیں ۔ اور ہر جگہ پختہ مشقی اور اُستادانہ تصرفات کا استعمال کرتے ہیں ۔ سوقیانہ لب و لہجہ اور وہ بازاری بھکڑپن اُن کی شاعری میں کہیں نظر نہیں آتا ۔ جس نے بعض متاخرین کے اظہار و بیان کو داغ دار بنا دیا ہے ۔

یہ تمام پابندیاں فکری کاوشیں ۔ لفظی و معنوی اہتمام و فنی تعین تجربات و مشاہدات ۔ معاملہ بندی ۔ پختہ کاری ۔ سلامت روی ۔ بلاغت و فصاحت ۔ اجتماعیت و انفرادیت ۔ سرور و مستی ۔ ترتیبِ لف و نشر ۔ چست بندشیں اور اُستادانہ وقار ان کے معاصرین کے یہاں بھی جلوہ گر ہے ۔ جنہیں پختہ مغزانِ جنوں کی اصطلاح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔

لیکن اُن کی زندگی کا یہ شعبہ داخلی اور فطری اوصاف کا منادی نہیں ہے ۔ یہ اوصاف تو خارجی پختہ کار اور مزدور کے یہاں بھی دیکھے جا سکتے ہیں جنہیں ہر ارتقا پسند فن کار اپنے جنونِ ذوق و شوقِ اکتسابِ علم و فن اور بنیادی برتری کے لئے بھی اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے ۔

حضرت رتن پنڈوروی کی زندگی کے جن گوشوں نے مجھے محوِ حیرت و استعجاب

میں ڈال رکھا ہے۔ وہ ہے اُن کا پاکیزہ کریکٹر۔ نفسانی تجرد۔ بلند اخلاقی ذہن وضمیر کی طہارت۔ شستگانی۔ شگفتانی۔ اعلےٰ ظرفی۔ خداترسی۔ خلاقانہ شعور۔ عرفان۔ طہارت نفسی۔ مساویانہ رجحانات۔ اُن کا دل گداختہ عجز و انکسار۔ منکرانہ بالیدگی۔ ذات پات اور نسل و رنگ کی تفریق سے بے زاری۔ خلوص و محبت کی والہانگی۔ انسانی تحرک۔ موتیج نفسیاتی تجزیہ۔ بصارت و بصیرت کی توانائی۔ خیر و شر کا امتیاز۔ قلبی سوز و گداز۔ ایمان کی سلامتی۔ عرفانِ ذات و آگہیٔ صفات و خداشناسی توحید پرستی اور ان کا وہ تصوفانہ کردار و عمل جس کی وجہ سے اُن کے کلام سے زیادہ ان کی پرستش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اپنے کلام و عمل کے آئینے میں وہ سچے اور پکے برہمن ہوتے بھی اسلامی عقائد وحدت الوجود اور توحید معبود کا مجسمہ نظر آتے ہیں۔ کیا ان کے مندرجہ ذیل اشعار میرے بیان کی تصدیق صداقت و دلائل کے لئے کافی نہیں ہیں؟ موصوف کی پوری شاعری اسی ماحول کی پروردہ ہے۔ اور اُن کا پورا کلام اِسی پاکیزگی کا حامل ہے۔ کون شقی القلب ہوگا جو موصوف کے اِن پاکیزہ عوامل کی قدر نہیں کرے گا۔ اور انہیں سر پر نہیں بٹھائے گا۔ ملاحظہ فرمایئے ؎

رہن دل وجاں سے محو ہو جا تو آپ اپنی عبودیت پر
خودی کی تاریکیوں میں اکثر خدا شناسی چھپی ملے گی

بتوں کو بھی تو خدا ہی سمجھ کے پوجا ہے
غلط ہے یہ کہ ہم اپنے خدا کو بھول گئے

جس کا آغاز نہ کوئی انجام - کون کہہ سکتا ہے اُس ذات کی بات

زنگ لائی کفر کی تردامنی - ابرِ رحمت کو پسینہ آ گیا

گناہوں نے درِ رحمت دکھایا - اُجالا پھوٹ نکلا تیرگی سے

تغزلِ محض جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے - اُن کے یہاں خال خال دکھائی دیتا ہے - اُن کے فکر و فن اور شاعری کا صحیح معیار و رجحان توحید و تصوف نگاری ہے - اُن کی پوری زندگی اور کردار و عمل کا وافر حصّہ انہیں دونوں موضوعات کی عکاسی کرتا ہے - ؎

اگر دریا میں قطرہ جا ملے قطرہ نہیں رہتا - جبینِ شوق کی ہستی ہے [illegible] آستاں تک ہے

میری ہستی ہی نے معدوم بنایا مجھ کو - ورنہ موجود ہی تھا میں کبھی معدوم نہ تھا

کہتے ہیں جس کو حسن اُسی کا ہے نام عشق - دیکھو مجھے بغور کہ شانِ خدا ہوں میں

شاہد ہی میں مستور ہے مشہود کی صورت - کثرت میں رہے جلوۂ وحدت کوئی دیکھے

دل کشی حسن دل آویز کی دیکھے کوئی - خود بھی تصویر ہے تصویر بنانے والا

؎ سبحان اللہ

بندگی ختم [illegible] کہ خدا ہونے تک - دیر کیا لگتی ہے بندے کو خدا ہونے تک

کیا کہوں دعنائیٔ مستور کا جوشِ نمو۔ پردہ داری کبھی تھی اِس پہ جلوہ آرائی بھی ہے

خودی سے جب خدا بینی کا عالم سامنے آئے۔ تو پھر انسان خود ہی پیر خود مرشد بنتا ہے

قابلِ نادری چشمِ تماشا ہے رتن ۔ جب ذرا آگے بڑھی حسن کا پروانہ رہا

حضرتِ رتن طبعِ رسا اور ان کی فطری والہانگی انہیں مقدس ابواب کی کلید ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ان ابواب کے ایسے ایسے مسائل حل کئے ہیں جنہیں پڑھ کر بڑے بڑے پیرانِ طریقت اور خانقاہ نشینوں کو اپنے دعوائے بصیرت اور عرفان و آگہی کی شکست خوردگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ انسانی برادری۔ خلوص۔ اخلاق۔ مساوات اور قومی روا داری و یکجہتی کا جو درس ان کے یہاں ملتا ہے وہ بھی "اللہ دے اور بندہ لے" کے مصداق عطیۂ خداوندی۔ اُن کی پاکیزہ نفسی اور اساتذۂ کرام کی دین کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ ؎

نیکی کی راہ حسنِ عمل میں نہ چھوڑ تو ۔ بدلے میں تجھ سے کوئی بُرا یا بھلا کرے

راہ نما چھوڑ گیا ساتھ تو پروا کیا ہے ۔ آگہی! آ کسی گم گشتہ کو گھر تک پہنچا

✓ ہم تو چلتے ہیں زمانے کی ہوا کے ساتھ ساتھ ۔ دوستی ساقی سے واعظ سے شناسائی بھی ہے

محبت میں تکلم کی جہاں جرأت نہیں ہوتی ۔ سکوت اکثر وہاں شرمندۂ گفتار ہوتا ہے

فقط گفتار سے کردار پہچانا نہیں جاتا — زمانے میں زباں کا پاس بس نوکِ زباں تک ہے

موت و حیات اور قضا و قدر کے مسائل متقدمین سے لے کر متاخرین تک شعراء نے ایسی ایسی موشگافیاں کی ہیں کہ انسان دیر تک سوچتا ہی رہ جاتا ہے۔ لیکن ان مسائل پر رتن صاحب نے جس انوکھے انداز سے اظہار خیال فرمایا ہے وہ بھی مستحقِ دادِ تحسین ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

اتنی ہی سرگزشت ہے باغِ حیات کی — غنچے نے مسکرا دیا شبنم نے رو دیا

دم بھر میں بلبلے کا گھر وندا بگڑ گیا — کہتا تھا کس ہوا میں کہ فانی نہیں ہوں میں

یہ کدورت یہ تنفر زندگی کے ساتھ ہے — ایک ہو جاتی ہے مل کر اپنے بیگانے کی خاک

پیوندِ خاک ہو کے ملیں سربلندیاں — دشتِ جنوں میں بن کے بگولا اٹھا ہوں میں

زندہ رہنے کی تمنا ہی نے مارا اُس کو — کاش انسان کو مرنا بھی گوارا ہوتا

چکبست مرحوم نے زندگی و موت کے فلسفے کو بیان فرمایا ہے اور اپنے شعر میں مکالمے کی جو شان پیدا کی ہے وہ بے نیازِ تحسین ہے۔ ؎

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب — موت کیا ہے؟ انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

لیکن حضرتِ رتن نے اپنے شعر میں اس مضمون کو تشبیہ تمتع کے ساتھ جس انداز سے پیش کیا ہے وہ بھی کم نہیں ہے۔ چکبست نے اپنے شعر

میں زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ رتن صاحب کے شعر میں زندگی اب بھی باقی ہے۔ اِس کو کہتے ہیں قادر الکلامی۔ فرماتے ہیں۔ ؎

زندگی کیا ہے؟ چلنا سفر میں۔ موت کیا ہے؟ پلٹنا سفر سے

شعر گوئی کا فن دوسروں کے لئے چاہے کتنا ہی آسان ہو لیکن اِس کی حصار بندی سب کے بس کی بات نہیں۔ یہ مشکل کام اور اس کی مشاقگی کے لئے بھی قدرت اپنی جانب سے بھرپور صلاحیتیں عطا کر کے خود مخصوص افراد کا انتخاب کرتی ہے۔ جن میں ایک حضرتِ رتن پنڈوروی کی بلند پایہ شخصیت بھی ہے جسے خالقِ کائنات نے علم و فضل۔ ادب و آداب۔ صبر و قناعت اخلاق و محبّت۔ خیالات کی پاکیزگی۔ نفسانی ظلمت شگافی۔ ایشور بھگتی اور عرفان و آگہی ہر طرح کی نعمت سے نوازا ہے۔ جس کی تصدیق خود اُنہیں کے ایک شعر سے ہوتی ہے۔ ؎

ستارہ میری قسمت کا کچھ اِس انداز سے ٹوٹا کہ ساتوں آسماں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

حضرتِ رتن پنڈوروی ضلع گورداسپور (پنجاب) کے قصبہ پنڈوری میں ایک غریب برہمن پنڈت مصرا داس بھاردواج کھٹے شاستری کے گھر ۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوئے جو ایک "ویرانہ آباد نما" مقام تھا۔ جہاں صبر و توکل کے سوا کچھ نہ تھا۔ اُن کے عہدِ شیر خواری سے لے کر عنفوانِ شباب تک اُن پر کیا گزری۔ موصوف کی خود نوشت "اپنی کہانی اپنی زبانی" پڑھنے کے بعد صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیف "لغزشِ نظر" اور "نقد و نظر" میں اس عنوان کے تحت اپنے ارتقائے زندگی اور اس کے نشیب و فراز کو جس سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اُسے پڑھ کر سر میں چکر آنے لگتے ہیں۔ اور پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ مگر بقول شخصے۔ ؎

ذوقِ عروج چاہیئے مٹی ہی کیوں نہ ہو۔ چڑھتا ہے آسمان پہ بگولا غبار کا

بے یار و مددگار ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے ذاتی ذوق و شوق۔ محنت و عمل۔ اُولوالعزمی۔ حوصلہ۔ صبر و استقلال اور تحصیل علوم کے جنون کا سہارا لے کر اپنی فطری صلاحیتوں کو حسن ڈھنگ سے بروئے کار لاکر بام عروج پر پہنچایا وہ دوسرے طالبانِ علم و فن کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ہر طالب علم کو اُن کا کلام پڑھنے سے پہلے اُن کی سرگزشت "اپنی کہانی اپنی زبانی" ضرور پڑھنا چاہیئے اور شب و روز کی فاقہ کشی اور درختوں کے پتے ابال کر اپنے پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے والے اس برہمن زادے کی زندگی سے سبق لینا چاہئے انہیں ناساعد حالات سے گذرتے ہوئے اور بعض قومی و ملی ہمدردوں کا سہارا لیتے ہوئے وہ ابتدائی جماعتوں سے لے کر فارسی مڈل کلاسوں تک پہنچے۔ پھر نارمل اسکول گورداس پور میں داخلہ لیا۔ اپریل ۱۹۲۵ء میں امتیازی حیثیت سے نارمل امتحان پاس کیا اور ۳ اگست ۱۹۲۵ء کو قدرت نے اُن کے لئے مستقل طور پر روزی کا دروازہ کھول دیا۔ یعنی وہ "بوبے وال" کے ایک پرائمری اردو اسکول کے نائب مدرس بن گئے۔ اِن تمام مصائب سے گذرنے کے بعد بھی تحصیل علم کا جنون اور اپنے فطری ذوق و شوق کو آگے بڑھانے کا جذبہ کم نہیں ہوا۔ ہمیشہ اونچے درجات کی کتابوں کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ انتہائی باریک بینی اور پورے قاعدے کے ساتھ اُن کے مطالعے کو اپنے ذوق ارتقا کا ماحصل بنایا۔ ۱۹۳۲ء میں منشی فاضل اور ۱۹۳۶ء میں ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ اور اس شعر کی صداقت کے مطابق ؎

اہل ہمت نہ کبھی گردشِ دوراں سے دبے\
توڑ کر سینۂ کہسار کو پانی نکلا
(نہال سیوہاروی مرحوم)

پرائمری اسکول کی ملازمت کو خیرباد کہہ کر ۱۴ ستمبر ۱۹۳۶ء کو ہری ہرگوبند پور" ضلع گورداسپور کے ایک ہائی سکول میں فارسی اتالیق کے عہدے پر مامور ہوگئے۔ اور اسی عہدے سے انتہائی نیک نامی کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں ریٹائر ہوئے۔

پوری زندگی تجردانہ گزاری اور اب اپنے آبائی گاؤں موضع پنڈوری میں اپنے چھوٹے بھائی جیون داس عاقل کے پاس رہ کر اپنی زندگی کے باقی ایام گزار رہے ہیں اور وہیں ایک مندر میں مرگ چھالا بچھا کر ایشور بھگتی اور خلق خدا کی خدمت کر رہے ہیں۔

شعر گوئی کا شوق آٹھویں جماعت سے ہُوا۔ اسکول کی نصابی کتابوں میں ملک الشعرا حضرت اُفق لکھنوی مرحوم کا کلام شامل تھا جس کا وافر حصہ عرفانِ خداشناسی، فلسفۂ مرگ و حیات اور اخلاقیات پر مشتمل تھا۔ آپ نے بھی اس برگزیدہ انداز و اسلوب کو اپنی شاعری کا طرۂ امتیاز بنایا اور دل میں یہ لگن پیدا کر لی کہ "میں بھی ایسا ہی بنوں گا"۔ چناں چہ پہلا شعر جو اُن کے ذہن و قلم سے نکلا وہ یہ تھا۔ ؎

اے بشر کس ہستی باطل پہ کیوں نازاں ہے ۔۔۔۔ عدم انجام اس کا اور فنا آغاز ہے

باقاعدہ ملازمت میں جانے کے بعد آپ نے اپنے ذوقِ شعری کی تکمیل کے لئے اعتبار الملک امام المتغزلین حضرت حکیم ضمیر الحسن خاں صاحب دل شاہ جہاں پوری جانشین امیر الشعرا حضرت مفتی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی کا انتخاب فرمایا اور حضرت دل مرحوم کی زندگی کے آخری ایام تک بذریعہ خط و کتابت اکتساب فن اور استفادہ سخن فرماتے رہے اور اس عقیدت و ارادت کے ساتھ کہ۔ ؎

جنابِ دلؔ کے فیضانِ سخن پر دل تصدق ہے۔ رتنؔ اُستاد کے قدموں پہ گر کر خاکِ پا ہو جا

حضرت دلؔ کی بیماری کے ایام میں یا ان کی وفات کے بعد اس کمی کو پورا کرنے کے لئے آپ نے حضرت جوشؔ ملسیانی مرحوم سے بھی استفادۂ سخن کیا ہے۔ اور اب خود پیرِ خمخانۂ سخن کا درجہ رکھتے ہیں جن کے دُردِ تہِ جام سے سینکڑوں تشنگانِ سخن اپنی تشنگی رفع کرنے کی سعی فرما رہے ہیں۔ شاعری کی کوئی صنف ایسی نہیں ہے جس میں رتنؔ صاحب نے اپنا کمالِ فن نہ دکھایا ہو حتیٰ کہ تاریخ گوئی جیسے خشک اور مغز سوز فن میں بھی آپ کو مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ علم جفر میں بھی وہ اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ وہ انشا پرداز بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کے نثر نگار بھی، اور اس میں بھی لفظی شگفتگی، حسنِ ترتیب، لف و نشر اور رجز و سجع کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔

بعض مقامات پر تو ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ رجب علی سرورؔ کی نثر نگاری کا مزا آنے لگتا ہے۔ جسے پڑھ کر اُن کی اعلیٰ قابلیت اور قادر الکلامی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

اُردو فارسی زبان کے سچے عاشق و پرستار ہیں۔ اب تک ان کی نظم و نثر کی گیارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو خاصی ضخیم بھی ہیں اور معیاری بھی اور غیر مطبوعہ بارہ کتابوں کے مسودے مکمل طور پر ترتیب پا چکے ہیں۔ جو ادب و اخلاق فصاحت و بلاغت اور علمی صنائع بدائع کے مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں جیسا کہ ان کی ترتیب دی ہوئی فہرست سے ظاہر ہے۔

کاش یہ تمام مطبوعہ کتابیں اور غیر مطبوعہ مسودے بھی میرے مطالعہ سے گزرتے اور میں بھی اُن کے جواہر پاروں سے اپنے پیکرِ علم فن کو آراستہ و پیراستہ کر کے قدرے سر بلند ہونے کا حوصلہ کرتا۔ میں نے ان کے کمالِ علم و فن کے

بارے میں اوپر جو کچھ اظہار خیال کیا ہے وہ صرف موصوف کے دو شعری ضخیم مجموعے (۱) بہشتِ نظر۔ (۲) اندازِ نظر کے غائر مطالعے اور بعض نثری مضامین اور خطوط کی خلّاقانہ انفرادیت سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

میری دعا ہے کہ خالقِ مطلق انہیں اور اتنی ہی عمر عطا فرمائے اور ان کے تمام غیر مطبوعہ مسودے بھی اُن کی زندگی میں ہی شائع ہوجائیں۔ اُن کی شاعرانہ۔ ادیبانہ اور اخلاقی زندگی کے ابھی کئی گوشے تشنۂ اظہار ہیں۔ مضمون کی طوالت اجازت نہیں دیتی کہ بیک وقت ان پر بھی کچھ لکھا جائے انتہائی معذرت کے ساتھ انہیں کے ایک شعر پر اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں ؎

لوگ مجھے گمنام نہ سمجھیں گوشہ نشینی پر بھی لیکن
دیدہ و دل کے قلب و جگر میں نقش جمائے بیٹھا ہوں

وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہ

طرفہ قریشی بھنڈاروی
۱۰ر دسمبر ۱۹۷۴ء

عطیّہ

از عالی جناب فیض مآب شبّیر حسن خاں صاحب ایڈوکیٹ شاہجہانپور

خلفِ اکبر اعتبار الملک حضرت دِل شاہجہانپوری مرحُوم

رمضان سے پہلے آپ کی تصنیف "انداز نظر" موصول ہو چکی تھی سرسری مطالعہ بھی اُسی دوران کر لیا تھا۔ دوبارہ دیکھنے کی توفیق اب ہوئی۔ آپ کے حالات کے بارہ میں تھوڑی بہت واقفیت ضرور تھی۔ لیکن اِس کتاب کے ذریعہ آپ کی زندگی کے گوناگوں رُخ سامنے آئے۔ "اپنی کہانی اپنی زبانی" کے عنوان سے آپ نے اپنی ابتدائی زندگی اور پھر تعلیم کے سلسلہ میں جس جد وجہد کا ذکر کیا ہے۔ اِس کو پڑھ کر صدیوں پہلے کے علماء اور اُدباء کی زندگی کا نقشہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ کیسے کیسے حوصلہ شکن

حالات میں آپ نے اپنی تعلیم کے مختلف مراحل طے کئے۔ ان کے بارہ میں آج کا تن آسان طالب علم سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایک کم سن اور فاقہ زدہ بچہ کا اپنے آبائی گاؤں سے ۷ میل کی دُوری پر ایک ایسے سکول میں تعلیم کے لئے جانا جو آبادی سے دُور ویرانہ میں واقع ہو۔ اور اس ویرانہ میں راتیں بسر کرنا گھر سے آٹے دال کی فراہمی رُک جانے پر درختوں کے پتے ابال کر کھانا۔ صرف چار پیسے کے سہارے ۳۰ میل کا سفر کرنا۔ تلاش کتب میں پنڈی بھٹیاں سے لاہور تک ۷۵ میل کا متواتر پیدل سفر کرتے رہنا کتابیں حاصل کر کے ان کی نقل کرنا۔ گھاس بیچ کر کاپی خریدنا۔ غرض کونسی ایسی آزمائش تھی جس سے آپ کو گذرنا نہیں پڑا۔ اللہ اللہ ایسی ہی علم لگن ہوتی ہے۔ ایک آج کا طالب علم ہے جو اپنے والدین کی کمائی کے ہزاروں روپے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں برباد کرتا ہے۔ اور سینما کا ہیرو بنا پھرتا رہتا ہے۔ غلط اور ناجائز طریقے استعمال کر کے ڈگریاں حاصل کر لیتا ہے۔ جو نہ اُس کے لئے سُود مند ہوتی ہیں نہ معاشرے کے لئے۔ آپ کی آپ بیتی پڑھ کر بس یہی کہا جا سکتا ہے

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خُدائے بخشندہ

اُردو شاعری کی تاریخ میں یا تو میرؔ کی نامرادانہ زیست کرنے کا طور یاد رہ گیا ہے۔ یا اب آپ کی فقر و قناعت کی زندگی بسر کرنے کی یہ جھلکیاں۔

قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطےٰ کے علماء و مشائخ کے کارناموں

اور ان کی ہمہ جہت علم و دانش کی داستان تو ایک مثالی بات ہے ابھی
پچھلی صدی تک علم کی تکمیل اُس وقت تک نہیں ہوتی جب تک ادب، فلسفہ
منطق - طب - نجوم وغیرہ غرض کہ علم کے سارے گوشوں پر عبور حاصل
نہ ہو جائے -

ایسی آزمائشی زندگی بسر کرنا جہاں غریبی - بے بسی - ناداری - تہی دستی
اور تباہ حالی قدم قدم پر گھیرے رہے اور اسی کے ساتھ مشق سخن جاری
رکھنا عام انسان یا عام شاعر کے بس کی بات نہیں - حسرت موہانی کو تو صرف چکی
کی مشقت میں مشق سخن کرنا طرفہ تماشا والی بات معلوم ہوئی - لیکن آپ
کیلئے تو از ابتدا تا ایں دم آزمائشیں ہی آزمائشیں رہیں - تاریخ میں کچھ رشی منی
اور بھگت ایسے ضرور گذرے ہیں - جن کی زندگی کا یہی طور تھا اور ان
کے طفیل شکتی اور شانتی کے بھگت ہمارے کانوں تک پہنچ پائے ہیں -

ہمارے ادب میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ شاعر یا ادیب کے افکار
و اقوال اور اُس کے کردار میں موافقت ہو - حد یہ ہے کہ اقبال تک کو یہ اقرار
کرنا پڑا کہ - ع

گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

آپ کی زندگی تلاشِ علم اور تلاشِ حق میں گزری اور اس کا نتیجہ یہ نکلا
کہ تصوّف اور روحانیت کا ایک ایسا امتزاج آپ کی غزلیات کے ذریعہ
ہمارے سامنے آیا جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ہے - مثالیں
تو ہر غزل اور ہر صفحہ سے پیش کی جا سکتی ہیں - میں صرف چند اشعار پر ہی

اکتفا کرتا ہوں۔

مرے حسنِ نظر کی دسترس دیکھو کہاں تک ہے
سراسر نور کا عالم مکاں سے لامکاں تک ہے

اگر دریا میں قطرہ جا ملے قطرہ نہیں رہتا
جبینِ شوق کی ہستی سجودِ آستاں تک ہے

گناہوں نے درِ رحمت دکھایا
اُجالا پھوٹ نکلا تیرگی سے

ہستی و مرگ میں کچھ فرق نہ دیکھا میں نے
اپنے ہی گھر سے چلا اپنے ہی گھر تک پہنچا

کتنا دُشوار ہے منزل پہ پہنچنا یارب
مٹنے والا ہی مسافر ترے در تک پہنچا!

اپنی صورت میں نظر آتی ہے اُسکی صورت
بات پہنچی ہے محبت کی یہاں تک آخر

لوگ جیتے ہیں اُمیدوں کے سہارے لیکن
نا اُمیدی نے دیئے لاکھ سہارے مجھ کو

انسان گنہ گار بھی ہے اور نہیں بھی
اعمال میں مختار بھی ہے اور نہیں بھی

اب راہِ حقیقت میں عجب حال ہے میرا
دُنیا سے سروکار بھی ہے اور نہیں بھی

اِس رندِ خرابات کو سمجھے کوئی کیا
جو اصل میں مے خوار بھی ہے اور نہیں بھی

اب یہ عالم ہے کہ میری آواز + تیری آواز ہوئی جاتی ہے

اپنی جنّت سنبھال رکھ واعظ + اِس سے آگے ہماری بستی ہے

آپ اپنی تلاش کرتا ہوں + اِس طرح دم خدا کا بھرتا ہوں

ایک حدیث ہے جس کو اپنے نفس کا عرفان ہو گیا اُس کو

اپنے رب کا عرفان ہوا ہے

(مَن عرفہ نفسی فقد عرفہ ربی)

وہ جسے اپنی خبر ہو جائے ۔ آپ ہی اپنا خدا ہوتا ہے

ذرہ ذرہ ہے نور کا عالم ۔ جلوہ گاہِ الست ہے دنیا

ذیل کے شعر میں کتنا خوبصورت مضمونِ عرفان بیان کیا گیا ہے ؎

یہ کوئی خواب تھا یا رب کہ فریبِ اُلفت
اُن کی صورت میں عیاں اپنی ہی صورت دیکھی

تو ہی بتا کہ یہ کوئی انصاف تو نہیں
تیرا ہی جزو ہو کے یہ تجھ سے جدا ہوں

تم نہ سجدوں کی امید رکھو ۔ آپ اپنے خدا ہو گئے ہم

چشم بینا کے تجسس کا کرشمہ دیکھو!
ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس پردہ نشیں تک پہنچی

اِس طرح سینکڑوں اشعار کا حوالہ دے کر میں آپ کے افکار و خیالات کی نشان دہی کر سکتا ہوں ۔ لیکن زیرِ نظر مجموعہ کی کم و بیش ایک سو پچاس غزلوں کے مطالعہ کی بجائے اگر آپ کی صرف ایک غزل سے

ہیں محوِ خدا۔ تو شانِ خدا۔ میں اور نہیں تو اور نہیں

تو جلوہ ہے۔ میں جلوہ نما۔ میں اور نہیں تو اور نہیں

کا مطالعہ کر لیا جائے تو آپ کی فکر کے سارے پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔ میں تو اس غزل کو مجموعہ کی نمائندہ غزل سمجھتا ہوں۔ محفل سماع میں بارہا فارسی کی مشہور غزل۔ ع

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

سن چکا ہوں۔ انہیں خیالات کی عکاسی بھرپور طریقہ پر اب مذکورہ بالا غزل میں ہے۔ پتہ نہیں کہ اتنا کچھ کہنے کے بعد آپ نے اتنے انکسار سے کیوں کام لیا۔ ۔

رتن حسنِ زباں کے ساتھ اگر حسن بیاں ہوتا

جہاں میں قابلِ تقلید تیری شاعری ہوتی

یہ سب کچھ حسنِ بیان نہیں تو اور کیا ہے۔

آج کی اردو شاعری اور خاص طور پر غزل بہت سی پابندیوں سے آزاد ہو چکی ہے۔ آپ کا اس دور سے تعلق ہے۔ جہاں حسنِ بیان کے ساتھ ساتھ حسنِ زبان اور حسنِ زبان کا احترام بھی رکھنا ضروری تھا۔ ایسے میں مجموعہ کی زبان اور صحتِ زبان کے بارہ میں کچھ لکھنا لاحاصل ہے۔ فقط

شبیر حسن

۲۱ ستمبر ۱۹۷۸ء

رتن پنڈوروی اور تذکرۂ حسن و عشق

عطیۂ عظمیٰ

از عالی جناب فیض مآب حضرت ضیا فتح آبادی ایم۔اے

میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سادھوؤں مہاتماؤں اور پیروں فقیروں سے دور رہوں۔ اول تو میں مذہبی اعتقادات کا قائل نہیں۔ اور دوسرے میرا تجربہ ہے کہ ایسے لوگوں کے حضور میں کسی بات پر اُن سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی اظہار اختلافات کی جرأت نہیں ہوتی اور یہ کہہ کر دل کو تسلی دینی پڑتی ہے کہ ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

یہی سبب ہے کہ جب برادرم طرفہ قریشی نے ناگپور سے خط میں لکھا کہ تمہارے پاس حضرت رتن پنڈوروی کا خط آئے گا۔ تو تم نے اس کا اچھا سا جواب ضرور دے دینا۔ میں عجیب مخمصے میں پھنس گیا۔ کیوں کہ میں رتن پنڈوروی کو ایک بزرگ اور استاد شاعر کی حیثیت سے تو جانتا ہی تھا مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ درویشانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کر

رہے ہیں۔ چنانچہ خوف وحیرت کے ملے جلے جذبات دل میں لئے میں اُن کے خط کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ یہ انتظار زیادہ دن نہیں کرنا پڑا۔ اور جب اُن کا خط آیا تو اُن کے پُرخلوص اور محبت آمیز لہجے اور انداز تخاطب و تحریر دیکھ کر میرے دل کا تمام ڈر غنقا ہو گیا اور ان کے حکم کی تعمیل میں مجھے یہ جرأت ہوئی کہ اُن کے اور ان کی شاعری کے متعلق اپنی ناچیز رائے کا اظہار اِس مختصر مضمون کی صورت میں کروں۔ ایک سادہ دل انسان ہونے کے ناطے صوفیانہ شعر کی اور بھگتی رس میں ڈوبی ہوئی شاعری کے رموز و اسرار کو سمجھنا میرے بس کی بات نہیں اور جب میں کسی چیز کے حسن و قبح ہی کو سمجھنے سے قاصر ہوں تو اس کی داد کیا دے سکتا ہوں۔ تاہم میں نے "بہشت نظر" اندازِ نظر کا بڑی دلچسپی سے اور بغور مطالعہ کیا۔ تو مجھ پر کھلا کہ رتن کے کلام میں کوئی اُلجھن یا ابہام نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کیا کہنا چاہتا ہے اور وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے اُسے موزوں و مناسب الفاظ اور دل کش پیرائے میں کہہ دیتا ہے۔ زبان و بیان پر اُسے قدرت ہے اور وہ فن کے قواعد و ضوابط سے پوری طرح باخبر ہے۔ اِس کے کلام میں صفائی۔ سلاست اور سادگی تو ہے ہی۔ مگر اس کی سب سے خوبی یہ ہے کہ وہ دائرہ تہذیب سے کبھی باہر نہیں نکلتا۔ سیماب اکبرآبادی نے جس تہذیب شعر کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ اس کو رتن نے رواج دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ شعر تہذیب ہی دراصل حاصل کلام ہونے کا حق دار ہے۔ جس طرح الہ آباد میں گنگا اور جمنا کا سنگم ہے۔ بالکل اُسی طرح رتن کے کلام میں اُردو شاعری کے دو مشہور اسکولوں دہلی اور لکھنؤ کا حسین امتزاج ملتا ہے امیر اور داغ لکھنؤ اور دہلی اسکولوں کے نمائندہ اُستاد اور ہمعصر شاعر تھے۔ دل شاہجہان پوری امیر کے اور جوش ملسیانی۔ داغ کے ممتاز شاگرد تھے رتن نے سب سے پہلے دل اور بعد میں جوش کو کلام دکھایا ان دونوں استادان

فن کی ہدایت و اصلاح نے رتن ؔ کے شعر کو دو آتشہ کر دیا۔ اور اب تو رتن ؔ خود بھی اُستاد ہے۔ اُستاد کی کوالیفکیشن اُس میں موجود ہے۔ وہ فنِ شعر سے واقف ہے۔ اور اُسکی نظر فن پر رہتی ہے۔ اِس میں ذہنی سُوجھ بوجھ بھی ہے۔ اِس کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ دیگر اساتذہ کی طرح اِس نے بھی متروکات کی فہرست تیار کرکے زبان کو سنوارنے اور نکھارنے کی کامیاب کوشش کی ہے اگر میں رتن ؔ کو "آخر الاساتذہ" کہوں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ اِس دور میں جب اُستادی شاگردی کا رشتہ معیوب سمجھا جانے لگا ہے۔ رتن ؔ کا دم غنیمت ہے اور اِس کا وجود مایۂ صد افتخار و ناز۔ رتن ؔ نے تمام اصنافِ سخن مثلاً نظم غزل۔ رُباعی۔ قطعہ وغیرہ میں طبع آزمائی کی ہے اور اُس کے کلام کا سرسری مطالعہ بھی بتا دے گا کہ اِس کی ہر کوشش کامیاب ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُس نے تجدید یا تجرباتی شاعری نہیں کی اور اِس کے یہاں اِس قسم کی کوئی کوشش بھی نظر نہیں آتی۔ وہ پامال رستوں پر گامزن ہے اور منزل کی تلاش اُس کے دل و دماغ میں تر و تازگی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ حُسن سے اُس کو والہانہ عشق ہے اور خلوص و محبت اُس کا اوڑھنا بچھونا ہیں وہ اُن اعلیٰ اقدار کا ترجمان ہے۔ جن سے انسان بنتا ہے رکسی ایک مضمون میں رتن ؔ کے ہمہ جہت فن اور کلام صد رنگ کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ غزل اردو شعر کی بہترین صنف ہے۔ اور اس کا بہترین مشغلہ ہے تذکرۂ حُسن و عشق۔ عشق و عشق کی اساس پر تمام کائناتِ انسانی قائم و دائم ہے۔ یہی نہ فانی و دوامی قدر ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے۔ دُنیا کی ہر زبان کا اعلےٰ ادب حسن و عشق ہی کا مرہون منت ہے۔ اردو غزل کی یہ خصوصیت

ہی اس کو ابھی تک زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ورنہ یار لوگ تو اسے کبھی کا ختم کر چکے ہوتے۔ رتن کی غزلیں بھی حسن و عشق کی باتیں کرتی ہیں۔ ان کی زبان اور بیان بھی عام غزلوں کا سا ہے۔ مگر ان کے پیچھے دل دھڑکتا ہے وہ ہے رتن کا اپنا دل۔ رتن کے دل میں چنگاری ہے شعلہ نہیں۔ چاندنی ہے دھوپ نہیں۔ مستی ہے آوارگی نہیں۔ تپش ہے جلن نہیں۔ اس کی آواز اتنی بلند نہیں کہ خلاؤں میں بکھر جائے اور اتنی دھیمی بھی نہیں کہ کانوں تک نہ پہنچ پائے۔ اس کے لہجے میں گھن گرج کی بجائے مٹھاس۔ متانت اور سنجیدگی ہے۔ زمین ہموار ہو یا سنگلاخ۔ قافیہ سہل ہو یا مشکل۔ کیا مجال کہ متانت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اس کی غزلوں میں حسن و عشق سے متعلق اشعار کی وافر تعداد ہے۔ میں اس مضمون میں رتن کے چند ایک ایسے ہی اشعار کی جھلکیاں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اور بات کسی آئندہ صاحب نظر کے لئے چھوڑ دوں گا کہ وہ رتن کے اس مخصوص رخ کا مکمل طور پر محاسبہ کرے۔ محبت میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسے مقام آتے ہیں۔ جہاں ایک پل کے لئے رک کر مسافر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے ہی مقام کی نشاندہی سیماب اکبرآبادی کے حسب ذیل مشہور شعر میں ملتی ہے۔

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

اس شعر کی کیفیت سے وہی شخص پوری طرح لطف اندوز ہو سکتا ہے جو اس مقام سے گزر چکا ہو۔ رتن ایسے کئی مقامات سے گزرے

چمکتا ہے۔ کہیں اُسے اپنی صورت میں محبوب کی صورت نظر آتی ہے تو کہیں وہ
محبوب کو اپنے تعاقب میں پاتا ہے۔ کہیں خاک کے ذرے اُس کی آنکھوں کے
تارے بن جاتے ہیں تو کہیں جہانِ عشق کو وہ حسن کا عالم سمجھنے لگتا ہے۔
کہیں اُس کے دل میں محبوب کی خواہش کے سوا اور کوئی خواہش نہیں رہتی تو کہیں
وہ دونوں جہاں کے عیش ٹھکراتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہیں اُس کی زبان خاموش
مگر نظر سرشار رہتی ہے تو کہیں وہ رات دن ایک محشرِ خاموش اپنے پیشِ نظر
پاتا ہے۔ کبھی وہ اتنا کھو جاتا ہے کہ خود اُسے اپنا نشان کہیں نہیں ملتا۔ تو
کبھی وہ رہنما کی رہنمائی کرتا ہے۔ کبھی اُسے راحت میں مصیبت اور مصیبت
میں راحت کا احساس ہوتا ہے تو کبھی وہ حیات و مرگ سے بے نیاز ہو
جاتا ہے۔ کبھی اُسے ہر سمت دیوانے ہی دیوانے نظر آتے ہیں۔ تو کبھی وہ جام
و سبو کو اپنے میں ہم آغوش پاتا ہے۔ کبھی وہ کعبہ و بتخانہ سے دور ہو جاتا
ہے تو کبھی مجاز ہی اُس کے لئے وجہِ حقیقت بن جاتا ہے۔ کبھی اُس کو ماضی
و مستقبل کا غم نہیں ستاتا تو کبھی مجبوری بھی اس کے لئے عین مختاری بن
جاتی ہے۔ جب وہ ان تمام مراحل سے گزر جاتا ہے۔ تو عشق کی وہ منزلِ
انتہا پا لیتا ہے۔ جہاں وہ خود ہی خود پر فدا ہوتا ہے۔ محبوب میں سما جاتا ہے
اور چلا اُٹھتا ہے کہ ؎

میں کبھی اُن کا طلبگار نظر آتا تھا۔ آج وہ میرے طلبگار نظر آتے ہیں

رتن نے ہزار پہلو عشق کو ہر زاویے سے پرکھا اور تولا ہے۔ جذبے اور
شعور کو متوازن کر کے اس کی نظر گہری اور احساس شدید ہے۔ وہ خود
بھی کہتا ہے۔ ؎

ہر نظر منزل ہے ہر اک سانس ہے ساحل مجھے — عشق کے رستے میں بحرِ بیکراں آیا تو کیا

رتنؔ کی شاعری کے دوسرے رُخ کا بیان ادھورا رہ جانے کا اگر اُس کے مخصوص اشعار کو یہاں نقل نہ کیا گیا۔ اور پھر حُسن و عشق کی باتیں دل سمجھتا ہے عقل نہیں سمجھا سکتی۔ یہ اشعار بیشتر بہشتِ نظر سے لئے گئے ہیں تو سنئے لطف اُٹھائیے۔ اور رتنؔ کے زورِ قلم کی داد دیجئے ؎

عشق کی راہ میں یہ کون سی منزل آئی + خاک کے ذرّے ہوئے آنکھ کے تارے مجھکو

کیا جانے کون سا یہ مقام آ گیا ہے اب + دونوں جہاں کے عیش کو ٹھکرا رہا ہوں میں

کمالِ شوق نے ہم کو کہاں پہنچا دیا آخر + جہانِ عشق ہی کو حُسن کا عالم سمجھتے ہیں!

خدا جانے قدم اُٹھتے ہی کس منزل میں جا پہنچے + زباں خاموش رہتی ہے نظر سرشار رہتی ہے

شوقِ منزل نے کہاں پہنچا دیا مجھ کو رتنؔ + دور ہیں چشمِ طلب سے کعبہ و بتخانہ آج!

معاذ اللہ نگاہِ شوق کس منزل پہ جا پہنچی + کہ برقِ آشیاں اب آشیاں معلوم ہوتی ہے

تلاشِ حق مجھے اس منزلِ الفت میں لے آئی + جہاں جام و سبو آپس میں ہم آغوش رہتے ہیں

عشق کے رستے میں وہ منزل ملی + حُسن نے خود عشق کا پیچھا کیا

پہنچ گیا ہوں اُس جگہ وفا کی رہ گزار میں + نہ موت کا کہیں پتہ نہ زندگی کی آس ہے

آ گیا ہے رہ گزارِ شوق میں ایسا مقام + میں تو گم ہوں ڈھونڈتی پھرتی ہے منزل مجھے

تلاشِ یار میں کچھ ایسا کھو گیا ہوں رتنؔ + کہ مل سکا نہ کہیں کبھی مجھے نشاں اپنا

رات دن اک محشرِ خاموش ہے پیشِ نظر + کوئی دیکھے تو کہاں لائی ہے منزل کی تلاش

سیر ہوتی نہیں رعنائیِ دل کش سے نظر + آج پہنچا ہے کہاں دیدۂ حیراں میرا

مجاز آخر ہوا وجہِ حقیقت + کہاں پہنچی نظر عشقِ تپاں سے

اپنی صورت میں نظر آتی ہے اُس کی صورت + بات پہنچی ہے محبت کی یہاں تک آخر

رہِ الفت میں ہر ہر گام پر دھوکا ہوا مجھ کو + وہ اکثر راہ زن نکلا جسے رہبر سمجھ بیٹھا

کیا خوب گزرتی ہے سودائے محبت میں + اِس سمت کبھی دیوانے اُس سمت کبھی دیوانے

جتنا بڑھتا جا رہا ہوں بزمِ جاناں کی طرف + اُتنی بڑھتی جا رہی ہے اور حیرانی مری

مسلکِ عشق ہے ناصح ترے مسلک سے جُدا + عشق میں بے خبری بھی تو خبر ہوتی ہے

جب فزوں تابِ تمنا کی حد سے بڑھ جائے گا اپنا عشق رتن
وہ ہم کو خنداں دیکھیں گے ہم اُن کو خنداں دیکھیں گے

برگِ گُل کی زباں سے سُنتا ہوں + چہچہے عندلیبِ فطرت کے

راحت میں مصیبت ہے مُصیبت میں ہے راحت + یہ عشق کا نیرنگ ہے یا اور ہی کچھ ہے

ہم نے راہِ طلب میں اکثر + خود راہ بتائی رہنما کو

دید کے بعد تو میں تجھ میں سما جاؤں گا + میری ہستی ہے ترے جلوہ نما ہونے تک

خود ہی خود پر فدا ہو گئے ہم + عشق کی انتہا ہو گئے ہم

کسی کے غم میں غمِ زندگی نہیں ہم کو + بلائے عشق میں ہم ہر بلا کو بھول گئے

خدایا چرب گو، شیریں سخن گردان زبانم را
بکن پُر کیف۔ پُر تاثیر، پُر نزہت بیانم را

افکارِ تازہ

غزلیات

ہے رتق صنفِ غزل نازک تریں
ہو زباں نازک۔ بیاں نازک یہاں

○

باطن کی نظر نے دیکھ لیا بس جان لیا پہچان لیا
ہے نور کے پردے میں نور چھپا بس جان لیا پہچان لیا

ذرہ ہے کہیں خورشید کہیں زہرہ ہے کہیں ناہید کہیں
ہر رنگ میں تیرا رنگ ملا بس جان لیا پہچان لیا

گو پردے میں مستور ہے تو ظاہر کی نظر سے دور ہے تو
دل ہی میں مرے مسکن ہے ترا بس جان لیا پہچان لیا

تو عرش نشیں میں فرش نشیں دوری کی مجھے اب تاب نہیں
آ دور نہ جا سینے میں سما بس جان لیا پہچان لیا

میں خادم ہوں مخدوم ہے تو میں فہم اگر مفہوم ہے تو
میں جزو ترا تو کل ہے مرا بس جان لیا پہچان لیا

اے شاہِ ازل پردے سے نکل خلوت کو بدل جلوت میں بھی چل
کیوں روٹھ کے تنہا بیٹھ رہا بس جان لیا پہچان لیا

کثرت ہے تری وحدت ہے تری ہر صورت میں صورت ہے تری
پھر چھپتا ہے کیوں آ سامنے آ بس جان لیا پہچان لیا

قطرے میں بھی تو دریا میں بھی تو گلشن میں بھی تو صحرا میں بھی تو
ہر شے نے دیا تیرا ہی پتا بس جان لیا پہچان لیا

میں عکس ترا تو نقش مرا۔ میں ظاہر ہوں تو باطن ہے
پھر آپس میں کیا بھید رہا بس جان لیا پہچان لیا

کعبہ میں گیا کاشی میں گیا آنکھوں کو مگر تسکیں نہ ملی
جب ذوقِ نظر کچھ آگے بڑھا بس جان لیا پہچان لیا

تو گل میں بسے کانٹے میں رہے جلوے میں ملے پردے میں چھپے
ہے پیشِ نظر ہر ایک ادا بس جان لیا پہچان لیا

میں صنعت ہوں تو صانع ہے میں قدرت ہوں تو قادر ہے
میں محض گدا تو لطف و عطا بس جان لیا پہچان لیا

تو صبحِ ازل میں شامِ ازل تو نامِ ابد میں جسمِ ابد
میں نقشِ وفا تو اصلِ وفا بس جان لیا پہچان لیا

میں دل ہوں ترا۔ تو دل ہے مرا۔ دونوں میں ذرا بھی فرق نہیں
اپنوں سے نہ اپنا آپ چھپا بس جان لیا پہچان لیا

طالب ہے کبھی مطلوب کبھی شارب ہے کبھی مشروب کبھی
پیاسا ہے رتن آ پیاس بجھا بس جان لیا پہچان لیا

○

شبِ فرقت فقط دو کام تھے فرقت کے ماروں کو
اُنہیں آنکھیں دکھاتے تھے ستارے وہ ستاروں کو

الم نے تازگی دی داغِ دِل کے لالہ زاروں کو
خزاں کے دَور میں بھی دیکھتا ہوں میں بہاروں کو

تہہِ دریا بہت خوش ہوں گلے مل کر کناروں کو
مجھے منزل پہ لے آئے دُعا دیتا ہوں دھاروں کو

سمیٹوں دل کے ٹکڑوں کو چُنوں دامن کے تاروں کو
بھرِدں گھر میں جنونِ عشق کی ان یادگاروں کو

اِدھر زینت عطا کی فصلِ گل نے شاخساروں کو
اُدھر گلشن بنایا وحشیوں نے خارزاروں کو

کتابِ معرفت ہے باغِ عالم کی ہر اک پتی
سمجھتا ہی نہیں انسان قدرت کے اشاروں کو

یہاں ہر ہر قدم پر سر اُٹھا رکھا ہے کانٹوں نے
بہت چھانا بہت پرکھا وفا کی راہگزروں کو

تعیّن کی حدوں سے بڑھ گئی نگہِ طلبگاران کی
تمنّا ہی نہیں خلدِ بریں کی بادہ خواروں کو

بتاؤ کس بھروسے پر سہاروں کا سہارا لوں
سہارا دے رہا ہوں آپ جب اکثر سہاروں کو

حسینو کس لیئے اترا رہے ہو اچھی صورت پر
دیا ہے عشق ہی نے حسنِ دلکش ماہ پاروں کو

رتن ہشیار ہو جاؤ بہار آئی قضا بن کر
تمہارے آشیاں نے خود پکارا ہے شراروں کو

حق بیں نظر سے منظرِ عرفاں کو دیکھئے ۔ پردہ اٹھا کے جلوۂ پنہاں کو دیکھئے

خواہش اگر ہے جلوۂ یزداں کو دیکھئے ۔ گہری نظر سے صورتِ انساں کو دیکھئے

رعنائی بہارِ گلستاں کو دیکھئے ۔ فطرت کے اس تبسمِ پنہاں کو دیکھئے

لے ڈوبے گی تمہیں یہ کنارے کی آرزو ۔ رہ کر کنارِ موج میں طوفاں کو دیکھئے

شکوے زباں پہ آ تو گئے اضطراب میں ۔ اب محشرِ نگاہِ پشیماں کو دیکھئے

احساس مٹ چکا ہے حیات و ممات کا ۔ پرشوق دل کی منزلِ عرفاں کو دیکھئے

پیشِ نظر ہے جلوۂ دل کش کی ہر تڑپ ۔ میری نگاہِ خلد بداماں کو دیکھئے

ہے اس کے تار تار میں صحرا چھپا ہوا ۔ راز آشنا نظر سے گریباں کو دیکھئے

اشکوں نے میرے دفترِ عصیاں کو دھو دیا ۔ اس فیضِ عامِ چشمِ پشیماں کو دیکھئے

جو دیکھنا ہو جوشِ جنوں کا اثر رتن
صحرا کو دیکھ کر مرے داماں کو دیکھئے

دیکھ کر ذرّے میں خورشیدِ درخشاں ہم نے
کر دیا جلوۂ مستور کو عریاں ہم نے

نور کے ہر ذرے میں بھی ڈھونڈ نکالا اُس کو
چشمِ بینا سے کیا حُسن کو حیراں ہم نے

بجلیو! اب تو نشیمن کی تمنّا بے سود
پھونک ڈالا ہے سرے ہی سے گلستاں ہم نے

جوشِ وحشت میں ذرا ذوقِ خلش تو دیکھو
کر دیا دشت کا ہر خار گلستاں ہم نے

غمِ دوراں نے تو چاہا کہ پریشاں ہم ہوں
غمِ دوراں کو کیا خوب پریشاں ہم نے

ہاتھ داماں و گریباں سے بڑھے جاتے ہیں
اب رگِ جاں کو بنایا ہے گریباں ہم نے

لب پہ شکوے تو نہیں آئے ہیں پھر کیا باعث
حسنِ معصوم کو دیکھا ہے پشیماں ہم نے

چشمِ آگاہ نے ہر موج میں ساحل پایا
بڑھ کے جب تھام لیا دامنِ طوفاں ہم نے

عشقِ صادق کی کرامت کا کرشمہ ہے رتن
کر دیا حُسن کی ہستی کو نمایاں ہم نے

دل کی ہستی تو مٹی وقفِ نظر ہونے تک
کیا بنے دیکھئے اُلفت کا اثر ہونے تک

آرزو یہ تھی دِلِ یار میں گھر کرتے ہم!
خود ہی بے گھر رہیں دِلِ یار میں گھر ہونے تک

ساتھ تو خوب دیا ضبطِ فغاں نے لیکن
یہ سہارا ابھی رہا آنکھ کے تر ہونے تک

ایک دن رنگ تو لائیں گی ہماری آہیں
ہم نہیں ہونے کے مانوس اثر ہونے تک

کس قدر درد اثر موت تھی پروانوں کی
رات بھر روتی رہی شمع سحر ہونے تک

سامنا آکے بڑا تیرِ نظر سے دِل کو
دیکھیں کیا ہوتا ہے یہ معرکہ سر ہونے تک

نام پانے کے لیئے نام مٹائے کوئی
بھید کھولا ہے یہ قطرے نے گہر ہونے تک

وہ تو آئیں گے بہر کیف عیادت کیلئے
بے خبر ہوں گے ہمیں اُن کو خبر ہونے تک

چارہ گر تیری تدابیر کا حاصل یہ ہے
دل کا بھی خون ہُوا خونِ جگر ہونے تک

اے رتن تیرے تغافل ہی نے مارا تجھ کو
آدمی بن نہ سکا خاک بسر ہونے تک

○

عقل فرزانہ ہے دل دیوانہ ہے
یہ میرے افسانے کا افسانہ ہے

عارفانہ ہے اگر اندازِ عشق
تو ادائے حسن معصومانہ ہے

بے نیازِ ساغر و مینا ہوں میں
چشمِ ساقی ہی مرا پیمانہ ہے

بے ٹھکانہ مجھ سا بھی ہوگا کوئی؟
اپنا بھی جس کے لئے بیگانہ ہے

کون سمجھے میرے دل کا مدعا
میرا ہر ہر لفظ اک افسانہ ہے

دیکھئے جوشِ جنوں کا معجزہ
گلشنِ فردوس ہر ویرانہ ہے

یہ ہے آدابِ محبت کا اثر
میری خاموشی بھی اک افسانہ ہے

اٹھ چکا ہے امتیازِ حسن و عشق
شمع خود خاکسترِ پروانہ ہے

رند کا ہے وہ عروجِ بے خودی
نام جس کا لغزشِ مستانہ ہے

وادیِ ایمن ہے مجھ کو ہر فضا
ذرّہ ذرّہ طور کا افسانہ ہے

یہ حقیقت کا کرشمہ دیکھئے
کعبے کے اندر مرا بتخانہ ہے

ہو گا اب تابِ نظر کا امتحاں
سامنے وہ جلوۂ جانانہ ہے

ہر قدم پر ہیں ہزاروں مرحلے
زندگی افسانہ در افسانہ ہے

کھینچ دی محفل میں تصویرِ وفا
یہ رتن جاں بازیِ پروانہ ہے

آنکھوں میں ہے اُس عارضِ پُر نور کا جلوہ
اب دل میں سماتا ہی نہیں طور کا جلوہ

دیوانہ بنا ڈالا فقط ایک جھلک نے
جادو ہے کہ رعنائیِ مستور کا جلوہ

ہے عشق اگر حُسن کی تنویر کا پرتو!
تو حُسن بھی ہے عشق کے دستور کا جلوہ

جُھکتے ہی جبیں جزوِ در یار بنی ہے
کہتے ہیں اِسے سجدۂ منظور کا جلوہ

مستی کا جہاں اصل میں ہے ہوش کی بستی
کہتا ہے یہی دیدۂ مخمور کا جلوہ

آ! شوق سے آ! تجھ کو میں آنکھوں میں بسالوں
بے لطف ہے بے کیف ہے یہ دور کا جلوہ

درکار ہے جلوے کے لئے تاب نظر بھی
موسیٰ سے سہا ہی نہیں گیا طور کا جلوہ

جنت کی فضاؤں سے بہت دور ہے منزل
زاہد کو تو لے ڈوبا فقط حور کا جلوہ

ہر ٹیس میں راحت ہے مسرت ہے کسک میں
دل کش ہے رتن سینے کے ناسور کا جلوہ

دل دھڑکتا ہے وہاں خاموش ہے
میری بےہوشی سراپا ہوش ہے

فصلِ گل بھی کس قدر پرجوش ہے
ہر کلی گلزار کی مے نوش ہے

وہ حریمِ ناز ہے پیشِ نظر
جانِ رتن کا آج کس کو ہوش ہے

ہر ستم اُن کا تو ہے شانِ کرم
میری ہر فریاد بارِ گوش ہے

کیا ہو اُس کی بے حجابی کا یقین
آنکھ میں رہ کر بھی وہ روپوش ہے

دیکھئے اعجاز جذبِ شوق کا
حسن دلکش خود محبت کوش ہے

آستانِ یار پر سر رکھ دیا
زندگی اِس پر بھی بارِ دوش ہے

ہوش میں آئے دلِ بے تاب کیا
ہر نظر جلووں سے ہم آغوش ہے

کس قدر فطرت پہ مستی چھا گئی
توبہ خود مصروفِ نائے و نوش ہے

اس کے ہر ذرے سے آتی ہے صدا
گو کسی کا نقشِ پا خاموش ہے

راہِ اُلفت کی فضاؤں میں رتن
راہرو کیا راہبر مدہوش ہے

فصلِ گل میں کلی کو ہنسی مل گئی — میرے دل کو مگر بےکلی مل گئی

اک طرف زندگی کی خوشی مل گئی — اک طرف موت کی بےبسی مل گئی

آسماں کو اگر کج روی مل گئی — تاب صبر و سکوں ہم کو بھی مل گئی

راہبر کو تو اب بےکسی مل گئی — راہزن کو مگر رہبری مل گئی

شہر میں دشمنوں سے گلہ کیا کریں — دوستی میں یہاں دشمنی مل گئی

چشمِ بینا کا یہ معجزہ دیکھئے — اُس کی صورت میں صورت مری مل گئی

آدمی جس گھڑی آدمی بن گیا — قدسیوں سے اُسے برتری مل گئی

وہ بشر خسروِ دو جہاں ہو گیا — جس کو تقدیر سے بندگی مل گئی

تیرا نقشِ نظر آگیا ہے کہاں — تیرگی میں مجھے روشنی مل گئی

موت کو کس زباں سے برا ہم کہیں — اسکے فیض سے ہمیں زندگی مل گئی

اے رتن دائمی خستگی کے لئے
فیضِ حق سے مجھے شاعری مل گئی

O

دیرِ و حرم میں ہم اُسے کرتے رہے تلاش
آخر کیا ہے دیدۂ بینا نے راز فاش

میں بھی بڑھا جو کاتبِ تقدیر کی طرف
آئی صدا یہ غیب سے کم بخت دُور باش

ناکامئ حیات نے یہ حال کر دیا
ہے دل بھی پارہ پارہ کلیجہ بھی پاش پاش

ہوتی ہے پہلے دیکھئے کس کو قضا نصیب
آئی ہے میرے ساتھ مری بے کسی کی لاش

ضبطِ فغاں کی داد زباں نے تو خوب دی
اشکوں نے کر دیا ہے محبت کا راز فاش

اب تک کھُلا نہ تجھ پہ مرے دل کا ماجرا
آٹھوں پہر ہے جب کہ تری اِس میں بود و باش

اِک وار ہی میں سینکڑوں دل ذبح ہو گئے
اللہ رے تیرے خنجرِ ابرو کی یہ تراش

اربابِ بزم سُنتے ہی رو دیں نہ کیوں رتنؔ
ہے داستانِ درد قیامت کی دل خراش

جلوۂ یارِ لبِ بام نہ دیکھا میں نے
اُس کا یہ فاص کرم عام نہ دیکھا میں نے

حُسنِ مستور کہیں عام نہ دیکھا میں نے
طالبِ دید کو خوش کام نہ دیکھا میں نے

عمر بھر مٹ نہ سکا تشنہ لبی کا شکوہ
اپنے جیسا بھی تہی جام نہ دیکھا میں نے

اپنے ہاتھوں سے کیا قیدِ قفس کا ساماں
ایک دانے کیلئے دام نہ دیکھا میں نے

جب ہوئی ہمتِ مردانہ معاون میری
تجھ کو اے گردشِ ایام نہ دیکھا میں نے

کیفِ آغازِ محبت نے کیا ہے بے خود
حیف آغاز کا انجام نہ دیکھا میں نے

چشمِ ساقی سے ہیں لبریز ہزار دل شیشے
ایسا پُر کیف کوئی جام نہ دیکھا میں نے

طلبِ راحت کیلئے خواہشِ راحت چھوڑو
قصدِ آرام میں آرام نہ دیکھا میں نے

راحت و رنج کا احساس نہیں ہے جس کو
وہ کبھی موردِ آلام نہ دیکھا میں نے

ثمرِ عصیاں پہ بھی ہو ایک نظر اے واعظ
خلد کا حکم ترے نام نہ دیکھا میں نے

میرے ماحول پہ یُوں چھائی خودی کی ظلمت
اپنی ہستی کا کبھی انجام نہ دیکھا میں نے

شعر گوئی ہے حقیقت میں پیامِ فطرت
اے رتن شعر سا الہام نہ دیکھا میں نے

O

جھلکتی ہے خوشی میری فغاں میں — دو رنگی کیوں محبت کے جہاں میں

شبِ غم چھا گئی کون و مکاں میں — اندھیرا ہے میرے دونوں جہاں میں

سما سکتا نہیں جو دو جہاں میں — سمایا ہے وہ چشمِ رازداں میں

مٹی ہستی وفا کے امتحاں میں — رسائی تب ہوئی قربِ بتاں میں

تعین کی حدوں میں اس کو ڈھونڈا — ملا آخر مکانِ لامکاں میں

بتائے کیا کوئی اس کی نشانی — چھپا ہے وہ نشانِ بے نشاں میں

صبا کیا صبح دم پیغام لائی — لرز اٹھے ہیں تنکے آشیاں میں

زمانے میں بہار آئی ہے شاید — نظر آتا ہے صحرا گلستاں میں

اسیری میں بھی ہوں گلشن بداماں — قفس میں ہے بدن دل آشیاں میں

یہ ہے حسنِ مآلِ سجدہ ریزی — جبیں مل جائے خاکِ آستاں میں

نگاہِ شرمگیں سے چھد گیا دل — خطا دیکھی نہ تیرِ بے کماں میں

یہ عالم ہے ہجومِ رنج و غم سے — ہے مجھ میں کارواں میں کارواں میں

کوئی تازہ عنایت ہوگی شاید — کمی اب کیوں ہے جورِ مہرباں میں

مبارک ہو خضر کو یہ اسیری — دھرا کیا ہے حیاتِ جاوداں میں

طبیبو اک نظر بیمارِ غم پر — وہ کچھ کہتا ہے آنکھوں کی زباں میں

وہ پتھر دل بھی سن کر رو دیا ہے — اثر کتنا ہے میری داستاں میں

رتنؔ یہ ہے کمالِ شعر گوئی
زباں کا حسن ہو حسنِ بیاں میں

○

وہ مجھے آج کچھ خفا سے ملے　　شاہ جیسے گدائے سے ملے

اہلِ دنیا کا میل فانی ہے　　میل یہ ہے بشر خدا سے ملے

درد و غم - اضطرار بے چینی　　یہ تحائف ہمیں وفا سے ملے

مٹ گئیں دل کی کلفتیں ساری　　وہ ہمیں آج اس ادا سے ملے

ہم کو منزل کا کہیں پتا نہ ملا　　سینکڑوں بار دل رُبا سے ملے

کوئی منزل سے آشنا نہ ملا　　ہم تو ہر ایک رہ نما سے ملے

سب کے سب ننگ آشنائی ہیں　　دہر میں ہم ہر آشنا سے ملے

کوئی بے زر جو چاہتا ہو سکوں　　بھول کر بھی نہ اغنیا سے ملے

عشق صادق کا یہ تقاضا ہے　　اس کی آواز ہر صدا سے ملے

بے قراری ہو شادمانی ہو　　شکر ہے جو تری رضا سے ملے

گل کھلے گا دلِ تمنا کوئی
اُن کی جانب سے کچھ دلاسے ملے

ہم نے ہجومِ یاس میں راحت کا دم بھرا
یوں بے وفا حیات کی اُلفت کا دم بھرا

ہستیِ بے ثبات کے قربان جایئے
ہر حال میں قضا کی اطاعت کا دم بھرا

سمجھو وہی ہے صاحب ثروت جہان میں
عسرت میں رہ کے جس نے قراعت کا دم بھرا

آئی بہار دامنِ گل چاک دیکھ کر
اہلِ جنوں نے شوق سے وحشت کا دم بھرا

دُنیا میں گو الم کے سوا کچھ نہیں مگر
ہر ایک نے اسی کی محبت کا دم بھرا

اللہ رے چشمِ شوق کا یہ جوشِ آگہی
کثرت کے رنگ رُوپ میں وحدت کا دم بھرا

روزِ ازل سے اِس کی ہے طرزِ عمل وہی
دل کھول کر فلک نے قدامت کا دم بھرا

رہبر بھی ساتھ چل نہ سکا راہِ شوق میں
کس حوصلے پہ اُس نے قیادت کا دم بھرا

تعظیم کے خیال سے قدسی بھی جھک گئے
آدم نے جب خدا کی عبادت کا دم بھرا

راہِ حیات میں اُسے منزل نہ مل سکی
ناحق جنابِ شیخ نے جنت کا دم بھرا

شاعر وہی ہے قابلِ تعریف اے رتن
شعر و سخن میں جس نے فصاحت کا دم بھرا

حیران ہوں گلوں میں حرارت کہاں کی ہے
اے باغباں یہ آگ مرے آشیاں کی ہے

جلوے شہود و غیب کے آنکھوں میں بس گئے
وسعت دلِ فراز میں کون و مکاں کی ہے

منزل سمجھ کے جھک رہی ہے گام گام پر
طالب جبینِ شوق کسی آستاں کی ہے

اب تو نشان تک بھی نشیمن کا مٹ گیا
اے بخت کوئی حد بھی مرے امتحاں کی ہے؟

بے ننگ و نام مٹ کے ہوا راہِ شوق میں
یہ داستانِ دردِ دلِ ناتواں کی ہے

جس نے اٹھائی آنکھ وہ تصویر بن گیا
یہ دِل کشی تجلّیِ حسنِ بتاں کی ہے

اے چارہ گر فضول ہیں تیری یہ کوششیں
دنیا میں کیا دوا کوئی دردِ نہاں کی ہے

وہ شے جو دل کے نام سے بدنام تھی کبھی
مر مٹ کے اب وہ خاک کسی آستاں کی ہے

احساس کی حدود سے آگے بڑھے قدم
کنجِ قفس میں اب تو فضا گلستاں کی ہے

جی چاہتا ہے آہ سے گلشن کو پھونک دوں
بجلی کو پھر تلاش مرے آشیاں کی ہے

ارزانیِ جفا ہے وفا کے جواب میں
کتنی نگاہِ لطف مرے مہرباں کی ہے

حسنِ زباں کے ساتھ ہو حسنِ بیاں رتنؔ
پہچان یہ بھی شاعرِ شیوا بیاں کی ہے

کھلی نگاہ مری چشم رازداں کی طرح
قفس میں عیش میسر ہے آشیاں کی طرح

ملی حیات ہمیں مرگ ناگہاں کی طرح
بہار آئی چمن میں مگر خزاں کی طرح

قدم قدم پہ ہے نازل ستم - بلا - آفت
زمیں ہے آج مظالم میں آسماں کی طرح

تعینات کی حد سے بڑھا ہوں میں آگے
مری نظر میں مکاں بھی ہے لامکاں کی طرح

گلوں کی فصل میں وحشت نے گل کھلائے ہیں
اُسی کے فیض سے صحرا ہے گلستاں کی طرح

گل و شجر کی محبت کا دم بھرو دائم
رہو چمن میں بہ صد شوق باغباں کی طرح

رہِ محبت میں ہر قدم پہ ہے کھٹکا
رہو مسافرو ہشیار پاسباں کی طرح

رہِ تلاش میں اے دل ترا خدا حافظ
ستم شعار نے دیکھا ہے مہرباں کی طرح

نصیب ہو نہ سکا آستاں مجھے۔ لیکن
جبینِ شوق مِٹی خاک آستاں کی طرح

دلِ تباہ کا انجام دیکھئے کیا ہو
نگاہِ شوق اُٹھی مرگِ ناگہاں کی طرح

اثر نواز کہاں تک ہیں اب مرے سجدے
کہ ذرّہ ذرّہ نظر میں ہے آستاں کی طرح

مری نگاہِ رسا نے اُٹھا دیئے پردے
نہاں بھی آج نگاہوں میں ہے عیاں کی طرح

رہِ وفا کا ہے ہر نقش نگاہوں میں !
رہینِ نشاں ہے یہ بھی مرے نشاں کی طرح

کہاں پہنچا ہے آکر دیدۂ ظلمت شکن اپنا
حریمِ نازکی رعنائیاں ہیں اب وطن اپنا

بہ صد اخلاص پانی بھرتی ہیں گنگ و جمن اپنا
نرالی عظمت و شوکت کا مالک ہے وطن اپنا

شکایت گو کئے جاتے ہیں ہم تقدیر کی لیکن
کبھی پرکھا نہیں ہے زندگی بھر میں چلن اپنا

ہماری چاک دامانی بھی کتنی پُر اثر نکلی
چمن کی ہر کلی نے پھاڑ ڈالا پیرہن اپنا

شبابِ حُسن کے مستو! کبھی سوچا بھی ہے تم نے
جگر اپنا نہ دل اپنا۔ نہ جان اپنی۔ نہ تن اپنا

جگر میں درد آنسو آنکھ میں رہ کر نہ کیوں خوش ہوں
جہاں بھر میں وطن اپنا ہے آخر کو وطن اپنا!

تہِ چرخِ کہن ملتا سکونِ زندگی کیوں کر
ازل کے روز سے دشمن رہا چرخِ کہن اپنا

مری ارتھی رتن کس شان سے شمشان میں پہنچی
ہُوا ہے حسرتوں کے خون سے رنگیں کفن اپنا

O

جب حسن کی رعنائی آنکھوں میں سما جائے
جس سمت نظر اُٹھے محبوب نظر آئے
منزل کا تمنائی کونین کو ٹھکرائے!
ایسے میں بھلا منزل خود چل کے نہ کیوں آئے

جب خنجرِ قاتل بھی ناکام نظر آئے
مایوس کوئی سر کو کس سنگ سے ٹکرائے

طوفانِ محبت میں ہر موج سفینہ ہے
آسائشِ ساحل سے دھوکا نہ کوئی کھائے

زنجیر کی جھنکار دو اب تم ہی تسلی دو
یوں جوشِ جنوں کب تک ہر دشت سے ٹکرائے

اے عشقِ گراں مایہ - اے حسن ہما پایہ
تم ایک ہو دونوں ہی تفریق نہ بن جائے

محرومِ تمنا ہوں۔ مایوسِ مقاصد ہوں
ایسے میں دلِ مضطر کیا خاک سکوں پائے

اے راہ برِ منزل وہ کون سی منزل ہے
انساں جہاں آکر انساں نظر آئے

رنگینیٔ وحشت نے وہ رنگ بھرا آکر
ہم صحنِ گلستاں کو صحرا میں اٹھا لائے

بت خانہ و کعبہ سے آگے ہے نظر میری
وہ پردہ نشیں اب تو پردے سے نکل آئے

مٹ کر بھی دلِ ناداں ہے تشنۂ پامالی
مٹنے کا مزا یہ ہے ذرات میں مل جائے

حسن ایک معمہ ہے عشق ایک پہیلی ہے
بینا ہی ہے دل کوئی اس راز کو سمجھائے

○

دیکھو یہ جو میلے نگہ راز دار کے
سب رکھ دیئے ہیں حسن کے پردے اُتار کے

جو شئے نفعا اصل میں حسن غریب ہے
جاتے ہوئے یہ کہہ گئے ہیں دن بہار کے

اے بے خودیٔ شوق یہ منزل ہے کون سی
ذرّے چمک اُٹھے ہیں مری رہ گزار کے

چاروں طرف ہے نور کا عالم نگاہ میں
یہ معجزے ہیں جلوۂ انوار یار کے

تقویٰ بھی آج مے کدہ بردوش بن گیا
ساغر میں دیکھ دیکھ کے جلوے بہار کے

لاتی ہے رنگ دیکھئے فردِ گناہ کیا
بیٹھے ہیں ہم بھی منتظر روزِ شمار کے

پھر موسم دیوانہ گر کی دھوم پڑ گئی
کانٹے بھی سرخ پوش ہوئے خار زار کو

کہتے ہیں جس کو موت وہ ہے اصل زندگی
معنی یہی ہیں ہستیِ ناپائیدار میں

دُنیا کی کوئی چیز بھی یکساں حال پہ نہیں
دیکھو تغیرات یہ لیل و نہار کی

غنچوں نے چاک کر دیا اپنے لباس کو
آئے ہیں ایسی دھوم سے پھر دن بہار کے

بے ہوش ہو کے ظاہر و باطن کو بھول جا
پردے اُٹھیں گے آپ ہی انوارِ یار کے

ہم آج مطمئن ہیں نشیمن کو پھونک کر
خدشے مٹے سرے ہی سے برق و شرار کے

گُل چیں کا ہاتھ قاتلِ ہر گُل ہے اے رتن
کتنے ستم شعار ہیں یہ دن بہار کے

O

رہِ عشق میں سرِ شوق کو ترے نقش پا کی تلاش ہے
مجھے آج تک جو نہ مل سکا اُسی مدعا کی تلاش ہے

جو ہے ضد مرگ و حیات سے مجھے اُس فضا کی تلاش ہے
جسے دیکھ کر کہے ہر نظر کہ یہ کس بلا کی تلاش ہے

مرا دل چُرا کے جو چھپ گیا اُسی دل رُبا کی تلاش ہے
مری سادگی تو ہے باوفا اِسے بے وفا کی تلاش ہے

جو سبیلِ منزلِ شوق ہو اُسی رہ نما کی تلاش ہے
مری گم رہی کے نیاز کو ترے نقش پا کی تلاش ہے

کبھی دیر میں کبھی کعبہ میں ترے نقشِ پا کی تلاش ہے
جو نظر اُٹھی تو پتہ چلا کہ یہ ماسوا کی تلاش ہے

یہ کرم کہو مرے عشق کا جو نصیب ہے مجھے یہ فضا
کہ نہ ذکرِ موت و حیات ہے نہ فنا بقا کی تلاش ہے

جسے ڈھونڈتا ہے اِدھر اُدھر تری ذات میں ہے وہ مُستتر
تہِ دل سے اپنی تلاش کر تجھے جو خدا کی تلاش ہے

مجھے یہ یقیں ہے کہ کلفتیں مری راحتوں کا پیام ہیں
غمِ جاں، رِضا کے حجاب میں غمِ جاں فزا کی تلاش ہے

ترا سجدہ ہے ابھی کبر زا نہ جبیں میں نقش ہے عجز کا
تری خودسری تو مٹی نہیں تجھے کب خدا کی تلاش ہے

ہوں غریق بحرِ گناہ میں ہے سیاہ نزدِ عمل مری
مجھے پھر بھی اُس کی جناب میں کرم و عطا کی تلاش ہے

جو سلامتی کی ہے آرزو تو نہ کر کنارے کی جستجو!
وہ خدا پہ بیڑے کو چھوڑ دے جسے ناخدا کی تلاش ہے

ہے قصور میری نگاہ کا کہ فریب شوق ہے یہ لگن
کبھی رہ نما سے عناد مجھے کبھی رہ نما کی تلاش ہے

○

دیکھئے پہنچا کہاں شوقِ نظر میرے لئے
سامنے آیا ہے حسنِ منتظر میرے لئے

نعمتیں بھیجیں خدا نے کس قدر میرے لئے
دردِ دل، دردِ وفا، دردِ جگر میرے لئے

ہو گئیں آسان راہ شوق کی دشواریاں
بے خودی دل کی ہوئی ہے راہبر میرے لئے

مجھ کو وحشت نے کیا ہے کس قدر ہر دل عزیز
ہاتھ پھیلاتی ہے ہر اک رہ گزر میرے لئے

کھل گیا آخر مآلِ عشق کا سب ماجرا!
وہ گیا بے چارہ بن کر چارہ گر میرے لئے

میری شامِ یاس بن جاتی امیدوں کی سحر
کاش ہوتی آہ مانوسِ اثر میرے لئے

میں تلاشِ نور میں خود ہی سراپا نور ہوں
روشنی لائیں گے کیا شمس و قمر میرے لئے

آج تک احساسِ دردِ عشق سے بیگانہ ہے
کیا اُٹھے گی وہ نگاہِ بے خبر میرے لئے

خیر و شر کی حد سے آگے بڑھ چکی ہے چشمِ شوق
ابتدائی مرحلے ہیں خیر و شر میرے لئے

لے گئے مجھ کو یہی کم بخت دانے کی طرح
باعثِ قیدِ قفس ہیں بال و پر میرے لئے

آندھیوں نے مجھ کو بخشی جرأتِ پروازِ شوق
لے کے آئے آشیاں برق و شرر میرے لئے

جب سے گھر کو چھوڑ کر بے گھر ہوا ہوں اے رتن
ہاتھ گیا تعمیر ہر فلتے میں گھر میرے لئے

بے خود محرم اسرار بھی ہو سکتے ہیں
دشت پیماؤں میں ہشیار بھی ہو سکتے ہیں

حسن دل کش میں کشش وہ ہے کہ اہلِ تقویٰ
چشم بیمار کے بیمار بھی ہو سکتے ہیں!

سو گئے میرے مقدّر کے ستارے۔ لیکن
وہ اگر چاہے تو بیدار بھی ہو سکتے ہیں

محض دھوکا ہیں یہ معصوم نگاہوں والے
بھولی صورت میں ستم گار بھی ہو سکتے ہیں

حسن والوں میں یہ اک خاص کمی دیکھی ہے
خود محبت میں گرفتار بھی ہو سکتے ہیں

حشر کے عدل سے یہ خوف ہے طاری دل پر
کہ وہاں اُن کے طرف دار بھی ہو سکتے ہیں

کیف کے بحر سے ہے پار انہیں کا بیڑا
جو مئے ناب کے سرشار بھی ہو سکتے ہیں

عشق وہ طرفہ لڑائی ہے کہ خالی ہاتھوں
تیز خنجر کے یہاں وار بھی ہو سکتے ہیں

ظاہری عشرت و آرام پہ مٹنے والو
دامنِ گل میں نہاں خار بھی ہو سکتے ہیں

طالبو! دیدۂ باریک نگر سے دیکھو!
حسن میں عشق کے آثار بھی ہو سکتے ہیں

رند ظاہر میں گنہ گار سہی اے واعظ
رحمتِ حق کے وہ حق دار بھی ہو سکتے ہیں

اے ذکیؔ جلوۂ مستور انہیں کا حق ہے
جن کے سر جزو زرِ یار بھی ہو سکتے ہیں

O

نیرنگیِ تقدیرِ بشر دیکھ رہا ہوں
اعمال کا پردوں میں ثمر دیکھ رہا ہوں

اُٹھتی ہوئی آہوں کا اثر دیکھ رہا ہوں
خود حُسن کو بھی تفتہ جگر دیکھ رہا ہوں

انجامِ رعونت کا اثر دیکھ رہا ہوں
افسردگیٔ شمعِ سحر دیکھ رہا ہوں

میں عشق کا انجام سمجھنے کی غرض سے
ذروں کو سرِ راہ گذر دیکھ رہا ہوں

دُنیا کے سفر ہی سے کمر ٹوٹ چکی ہے
اب سامنے عقبیٰ کا سفر دیکھ رہا ہوں

وُہ بادۂ کوثر جو ڈھلا ان کی نظر سے
میں اُس میں نہاں اپنی نظر دیکھ رہا ہوں

ہنستا ہے مرے حال پہ آغازِ محبت
انجامِ محبت کا اثر دیکھ رہا ہوں !

اے جوشِ جنوں کس سے لڑیں میری نگاہیں
دُنیائے خرد زیر و زبر دیکھ رہا ہوں !

اب عرضِ تمنا کی ضرورت ہی نہیں ہے
میں آپ کا اندازِ نظر دیکھ رہا ہوں

کس جلوۂ عریاں نے مرے ہوش اُڑائے
اے دیدۂ حیرت میں کدھر دیکھ رہا ہوں

کس حوصلے پہ شعر کہوں آج رتن میں
ناقدریِ اربابِ ہنر دیکھ رہا ہوں

○

صحبتِ یار ملاقات سے آگے نہ بڑھی
بات کہنے کی جو تھی بات سے آگے نہ بڑھی

شاطرِ حسن کی چالوں کا اثر تو دیکھو
بازیٔ عشق کبھی مات سے آگے نہ بڑھی

عابدو! آپ کو منزل کا پتا کیا ملتا
بندگی محض کرامات سے آگے نہ بڑھی

شمع نے خون کیا سینکڑوں پروانوں کا
زندگی اُس کی بھی اک رات سے آگے نہ بڑھی

آج تک لب پہ ہے محرومِ نصیبی کا گلہ
جو دُعا کی وہ مناجات سے آگے نہ بڑھی

نامکمل ہی رہا شوقِ جمالِ جاناں
عشق کی عرض سوالات سے آگے نہ بڑھی

کروڑوں دل میں تو لیتے تھے ہزاروں ارماں
عمر ہی مرگِ مفاجات سے آگے نہ بڑھی

ننھے سینکڑوں ہمراہ لگے آتے ہیں
زندگی اپنی فروعات سے آگے نہ بڑھی

آ کے دنیا میں صداقت کا نشاں تک نہ ملا
محفلِ دہر خرافات سے آگے نہ بڑھی

دورِ حاضر کی یہ رفتارِ محبت ۔ توبہ
محض لفظوں کی مدارات سے آگے نہ بڑھی

خاک پورا ہو بھلا حُبِّ وطن کا منشا
لیڈری چند بیانات سے آگے نہ بڑھی

اے رتن لوگ جو کہتے ہیں غلط کہتے ہیں
شاعری اپنی روایات سے آگے نہ بڑھی

نہ وہ تلوار باقی ہے نہ وہ جلاد باقی ہے
سرِ تسلیم کی لیکن ابھی رُوداد باقی ہے

فرازِ بے ستوں پر عشق کی رُوداد باقی ہے
ہر اک پتھر کے لب پر نوحۂ فرہاد باقی ہے

زبانِ بے کسی پر شکوۂ بے داد باقی ہے
مآلِ عشق کی یہ آخری رُوداد باقی ہے

اسیرِ دام کی بس اتنی سی رُوداد باقی ہے
چمن تو چھٹ چکا لیکن چمن کی یاد باقی ہے

عذابِ زندگی سے اب اجل بھی تلملا اٹھی
الٰہی کس قدر اس قید کی میعاد باقی ہے

مقدر کے خزانے سے بھری ہیں جھولیاں سب نے
مگر میرے لئے ہر وقت کی اُفتاد باقی ہے

زمیں پر آ رہے گا آسماں صیّاد! بچ جانا!!
ابھی بے بال و پر میں طاقتِ فریاد باقی ہے

رہِ اُلفت کے رہ رَو کی فقط ہے سرگزشت اتنی
مٹا ہے دل مگر خاکِ دلِ برباد باقی ہے

ہزاروں آندھیاں اُٹھیں خزاں کے زور بھی گزرے
مگر اس پر ابھی تک گلشنِ ایجاد باقی ہے

تمنّاؤں کے سب نقشے مقدّر نے مٹا ڈالے
نظر کے سامنے حسرت بھری اُفتاد باقی ہے

مرے ضبطِ فغاں کا امتحاں تو ہو چکا آخر
مگر اُن کی طرف سے امتحاں کی داد باقی ہے

رتنؔ دشوار تر ہے منزلِ مقصود کا پانا!
ابھی تک تیرے پہلو میں دلِ ناشاد باقی ہے

دُنیا دیکھی پرکھی میں نے جس کا بس اب یہ حاصل ہے
بھگوان کا ملنا آساں ہے انسان کا ملنا مشکل ہے

یہ نکتہ اے نکتہ شناسو راز پنہاں کا حامل ہے
ہر مشکل میں آسانی ہے ہر آسانی میں مشکل ہے!

چشمِ بینا کی رحمت نے نقشِ وحدت خوب جمایا
اُس کے دل میں میرا دل ہے میرے دل میں اُس کا دل ہے

اے ذوقِ نظر مجھ طالب کو تو کس منزل میں لے آیا
ہر ذرّہ حاملِ صحرا ہے ہر موجِ طوفاں ساحل ہے

سو پردوں پر بھی ہم نے تو دیکھا ہے تجھ کو بے پردہ
ہر محفل کا تو حاصل ہے ہر محفل میں تو شامل ہے

معراجِ چشمِ شوق کہو جذباتِ طلب کا فوق کہو
ہر راہ گزر ہے نجد مجھے ہر ذرّہ مجھ کو محمل ہے

نظروں سے نہاں کیوں رہتے ہو جب تم کو رتن نے جان لیا
چھپنے کا آخر کیا مطلب دیدار کا جذبہ کامل ہے

کس کی تصویر مرے سامنے لہرائی ہے
آنکھ پر نور ہے دل مخزن رعنائی ہے
عشق کی راہ میں اک ایسی فضا آئی ہے
حسن مغرور بھی خود عشق کا شیدائی ہے
نگہِ یار میں انداز مسیحائی ہے
اس بہانے سے یہاں ہم کو قضا لائی ہے
حسن دل کش کی فقط ہلکی سی انگڑائی ہے
سرِ محفل نہ تماشا نہ تماشائی ہے
دردِ غم سوز تڑپ یاس ہے تنہائی ہے
میری وحدت نے بھی کثرت کی ہوا پائی ہے
جھکتے ہی درِ یار بنی میری جبیں
سچ جو پوچھو تو یہی شانِ جبیں سائی ہے
اپنی آشفتہ خیالی سے لرز اٹھتا ہوں
عرصۂ حشر ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

اِک طرف آنکھ تری دید کی پیاسی دیکھی
اِک طرف دل کہ ترے جلوے کا شیدائی ہے

زندگانی یہ ہو کیا خاک بھروسا مجھ کو
ہر نفس میرے لئے موت کی شہنائی ہے

جذبۂ شوق میں کیا سحر پھرا ہے یارب
بے قراری بھی یہاں وجہِ شکیبائی ہے

آج تک میں نے تجھے دل میں بسائے رکھا
پھر کہیں جا کے ترے دل میں جگہ پائی ہے

ایسے عالم میں ملاقات کی خواہش کیا ہو
عالمِ ہجر مجھے عالمِ یکتائی ہے !!

اب تو اقرار کرو اپنے گناہوں کا رتن
حسنِ تقدیر سے رحمت کی گھٹا چھائی ہے

O

کیا بتاؤں کون ہوں میں کون سی منزل میں ہوں
اتنا ہی معلوم ہے بس آپ اپنے دل میں ہوں

اک طرف خورشیدِ تاباں کی نور افشانی ہوں میں
صورتِ مہتاب اک جانب مہِ کامل میں ہوں

رنگ لائیں دیکھئے کیا کیا مری آسانیاں
مجھ میں ہے مشکل کبھی یا میں کبھی مشکل میں ہوں

مجھ کو اب پردہ اُٹھانے کی ضرورت ہی نہیں
آپ ہی مستور جب میں پردۂ حائل میں ہوں

خاکِ راہِ شوق کے ذرے ہیں میرے رہنما
ہر قدم پر میں سمجھتا ہوں کہ اب منزل میں ہوں

محفلِ امکاں کی رونق میری ہی ہستی سے ہے
حاصلِ محفل کی صورت دہر کی محفل میں ہوں

کس بلندی پر مجھے لایا مرا جوشِ طلب !
وہ تھے پہلے میرے دل میں اب میں اُنکے دل میں ہوں

ڈوبنے کا راز مجھ پر عشق نے کھولا رتن !
تہ نشیں ہونے پہ بھی آسائشِ ساحل میں ہوں

O

گو بظاہر میں نگاہِ خلق سے مستور ہوں
نور سے پیدا ہوا تھا مہر کے جز نور ہوں

کیوں نہ ہم آغوش ہو مجھ سے بذاتِ خود بقا
میں فنا کی سرزمیں سے کالے کوسوں دور ہوں

ہے خذف ریزہ فقط کونین کی دولت مجھے
میں فقیری میں جوابِ حشمتِ فغفور ہوں

دیکھئے میرے جمالِ شوق کی رنگینیاں
بے نیازی حسن کی ہوں عشق کا دستور ہوں

رہ گیا افسانہ بن کر ذکر محمود و ایاز
آپ ہی آقا ہوں میں تو آپ ہی مزدور ہوں

معجزہ کہئے اسے امواج کی آغوش کا!
اتنا ہی نزدیک ہوں ساحل سے جتنا دور ہوں

کون سی امید پر پہنچوں فرازِ طور پر
میں بذاتِ خود مآلِ سرگزشتِ طور ہوں

گو بظاہر ہر طرح مختار ہوں اعمال میں
درحقیقت انتہائی طور پر مجبور ہوں

اہلِ فن رکھتے ہیں عالم گیر شہرت اے رتن!
میں مگر اپنے ہی خلوت خانہ میں مشہور ہوں

دنیائے محبت میں یہ بات نمایاں ہے
مرنے کی تمنا ہے جینے کا بھی ارماں ہے

یہ عشق نے سمجھا ہے گو عقل سے پنہاں ہے
انسان کی صورت میں رعنائیِ یزداں ہے

اے جوشِ جنوں کہہ دے جاتا ہے کدھر مجھ کو
اک سمت گلستاں ہے اک سمت بیاباں ہے

انوارِ تجلی سے گو عشق تو حیراں تھا
اب عشق کی جرأت پہ خود حسن بھی حیراں ہے

یہ حسنِ نظر کہیئے یا حسنِ طلب کہیئے
ہر موجِ نظر میری فردوس بداماں ہے

وحشت کی عنایت سے یہ راز کھلا مجھ پر
دامانِ بیاباں بھی میرا ہی گریباں ہے

مرنے میں صداقت ہے جینا ہے فقط دھوکا
کہتے ہیں جسے ہستی وہ خواب پریشاں ہے
ہر اشک نے دھو ڈالا عصیاں کی کثافت کو
ہے موجِ کرم اُس کی یا چشمِ پشیماں ہے
اپنا ہی پتا کرنا دشوار ترین ٹھہرا
مجذوب کا پانا تو انسان کو آساں ہے
یہ جوشِ تجلی ہے یا حسن کی رعنائی
مشتاق نگاہوں میں اک برق سی لرزاں ہے
صحرا و چمن یکساں جا دیکھے ہیں رنگ ہم نے
ہر پھول گلستاں ہے ہر خار بیاباں ہے

O

جذبِ وفا کی برتری دل کو وہ حوصلہ دیا
عشقِ نیاز کیش نے حسن کا سر جھکا دیا

راہِ وفا سے گر دُھٹی برق فلک سے آگری
عشقِ فسوں طراز نے اُنہیں کو دل بنا دیا

حسن طلب کا یہ اثر جوشِ وفا کا یہ کرم
حسنِ کرشمہ ساز نے مجھ سے مجھے چھپا دیا

وُہ دن بھی یاد ہیں ہمیں مست بہار تھی نظر
باغِ بہشت کھل گیا جب کوئی مُسکرا دیا

عشق کی رہ گذار میں نقشِ قدم ملا جہاں
ہم نے کمالِ شوق سے سر کو وہیں جھکا دیا

زہد سے بے نیاز ہیں عشق کی بادہ نوشیاں
مستِ مئے الست نے خالد کو بھی جھکا دیا

جان آپ ہی کا مال تھی پیشِ نگاہِ ناز کی
داغ جو زندگی کا تھا ہم نے اُسے مٹا دیا

تلخ جواب گو ملا شوقِ جمال پر ہمیں
طعنۂ طور نے مگر جوشِ طلب بڑھا دیا

خوفِ قفس چمن میں ہے رنجِ چمن قفس میں ہے
ہم کو کشادِ جلیست نے مشقِ الم بنا دیا

میری نگاہِ شوق کا جوشِ نیاز دیکھئے
جلوہ گرِ الست نے شوق سے رُخ دکھا دیا

خلدِ بریں کی دل کشی دل سے مرے اتر گئی
اُسکی نگاہِ مست نے رنگ یہ کیا جما دیا

راہِ وفا میں خیر سے حرفِ غلط تھے ہم رتن
اُن کی نگاہِ ناز نے اُٹھ کے ہمیں مٹا دیا

سب دکھائی دے رہے ہیں بے سروساماں مجھے
کس فضا میں لے کے آئی گردشِ دوراں مجھے

حکم نامہ دیکھئے یہ کاتبِ تقدیر کا
دیدۂ خنداں سبھوں کو دیدۂ گریاں مجھے

عشق کی مجبوریوں نے گھر کو صحرا کر دیا
اور صحرا بھی نظر آتا ہے اب زنداں مجھے

بارگاہِ حُسن میں ناکامیِ تابِ بیاں
کر گئی افسانۂ خاموش کا عنواں مجھے

سامنے نظروں کے ہے اشکِ تمنا کا مآل!
ایک قطرہ میں ملی ہے وسعتِ طوفاں مجھے

کس قدر کم ظرف ہے زخمِ دلِ راحت طلب
درد کو کرنا پڑا شرمندۂ درماں مجھے

خود تجلی ہی مری آنکھوں پہ پردہ بن گئی
کیسے چکمے دے رہا ہے جلوۂ پنہاں مجھے

دیر و کعبہ کی حدوں سے دور آ پہنچا ہوں میں
انتہائے کفر ہے اب حاصلِ ایماں مجھے

راحتِ ساحل ملی ہے موج کی آغوش میں
اُٹھ کے لایا منزلِ مقصود پر طوفاں مجھے

حسن کی دنیا میں کیا دیکھا بتاؤں کس طرح
محو حیرت کر چکا ہے دیدۂ حیراں مجھے

مطمئن رکھتی ہے دل کی بے حسی احساس کی
بے سکونی درحقیقت ہے سکونِ جاں مجھے

اس میں سرگرداں ہیں سب دیوانگانِ زندگی
محض اک وحشت کدہ ہے عالمِ امکاں مجھے

دیدۂ آگاہ کا ہے یہ کرم کتنا حسیں
صورتِ انساں ہے عکسِ صورتِ یزداں مجھے

گلشنِ ہستی کے گل چینو یہ کیسا راز ہے!
کچھ اشارے کر رہا ہے ہر گلِ خنداں مجھے

اے رسن تاب نظر کا امتحاں ہونے لگا
کھینچتا ہے اپنی جانب جلوۂ تاباں مجھے

کٹی آغوشِ غم میں زندگی اوّل سے آخر تک
بہاتی ہی رہی آنسو خوشی اوّل سے آخر تک!

سراسر پاک ہونے پر بھی ہے یہ دردِ سر یکسیر
محبت میں یہی دیکھی کمی اوّل سے آخر تک

خزاں کا ذکر ہی کیا فصلِ گل نے بھی ستم ڈھائے
نیابت گل کھلاتی ہی رہی اوّل سے آخر تک

جواب طُور گو ہمت شکن تھا راہِ الفت میں
طلب سائل کی بڑھتی ہی گئی اوّل سے آخر تک

کہیں اِس میں سکوں کا لفظ ڈھونڈے سے نہیں مِلتا
کتابِ عشق پڑھ کر دیکھ لی اوّل سے آخر تک

خُدایا تیری رحمت دیکھئے کیا رنگ لاتی ہے!
گناہوں سے بھری ہے زندگی اوّل سے آخر تک

کھُلا محشر میں آ کر عمر بھر کا رازِ سربستہ
نمائش تھی ہماری بندگی اوّل سے آخر تک

جو اپنے آپ کو سمجھے تو بیڑا پار ہو جائے
سمجھتا ہی نہیں ہے آدمی اوّل سے آخر تک

اجل ہی نے بڑھا دی زندگی کی قدر دُنیا میں
رہی اس پر بھی شاکی زندگی اوّل سے آخر تک

نہ راہِ زندگی میں ساتھ اپنا دے سکا کوئی
رہی ہمراہ میری بے کسی اوّل سے آخر تک

رُتیں آنے کو گو آئی بہارِ زندگی لیکن!
کلی دل کی نہ ہرگز کھِل سکی اوّل سے آخر تک

زندگی دیکھئے برملا شعر ہے! ہر نفس رُکن ہے ہر ادا شعر ہے

نازنینوں کی ہر اک ادا شعر ہے ناز۔ غمزہ۔ رعونت حیا شعر ہے

شعر ہے وہ سلاست کا حامل کہ جو نثر کی نثر ہے شعر کا شعر ہے

اہلِ محفل پہ اک سحر سا چل گیا آپ کی چشمِ میگوں ہے یا شعر ہے

عشق کی داستاں شعر سے کم نہیں ہر الم۔ ہر ستم۔ ہر بلا شعر ہے

پُر اثر۔ پُر کشش۔ پُر فسوں۔ پُر سکوں خوب رُویوں کی ہر اک صدا شعر ہے

پیچ و خم اُلجھنیں۔ دل کشی ہے یہی زلفِ پیچاں بھی اک خوش نما شعر ہے

سر بسر افترا جھوٹ۔ دھوکا غلو وعدۂ یار بھی دل ربا شعر ہے

بارہا اس نے آساں کیں مشکلیں عالمِ یاس میں غم ربا شعر ہے

شعر نے جذبۂ شوق گرما دیا عشق کی ابتدا۔ انتہا شعر ہے

کنجِ خلوت میں تنہا نہیں ہیں رتن جب مرا ہم نشیں ہم نوا شعر ہے

○

عشق یہ ہے ابتدا میں انتہا پیدا کریں ۔ اپنے نقشِ پا سے احمدؐ کا نقشِ پا پیدا کریں

ذوقِ دل ۔ ذوقِ نظر نگہہِ رسا پیدا کریں ۔ دِل کے اندر ہی سے اپنا دلرُبا پیدا کریں

بے خودی میں اسطرح شانِ خدا پیدا کریں ۔ ذرّے ذرّے سے صدائے لا اِلٰہ پیدا کریں

عشق کے حسن و وفا میں اس قدر تاثیر ہو ! ۔ حسن کے دل میں بھی جذباتِ وفا پیدا کریں

یہ نمودِ ہستیٔ بے بود تو ہے چند روز ۔ خود کو خود ہی میں فنا کرکے بقا پیدا کریں

عبد کی صورت میں دیکھیں جلوۂ معبود کو ۔ اِس طرح ذوقِ نظر کی انتہا پیدا کریں

خود شناسی چھپ رہی ہے بے خودی کے جوش میں ۔ خود شناسی کے حجابوں سے خُدا پیدا کریں

عشق کے رستے میں لاکھوں راہنما گم ہو گئے ۔ گمرہی کی ظلمتوں سے رہنما پیدا کریں

چل کے راہِ شوق میں دیکھا ہے آغازِ وفا ۔ اب مٹا کر خود کو انجامِ وفا پیدا کریں

رحمتیں مجبور ہو جائیں برسنے کے لئے ۔ دِل کی گہرائی سے اقرارِ خطا پیدا کریں

امتیازِ شاہد و مشہود مٹ جائے رتن
عشق کی دنیا میں کر وہ فضا پیدا کریں

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را —

اس حصہ میں وہ غزلیں شامل ہیں جو سنہ ۱۹۷۱ء سے
سنہ ۱۹۷۶ء تک کہی گئیں اور اندازِ نظر میں نا تمام صورت
میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ یہاں مکمل صورت میں شائع
کی جا رہی ہیں۔

○

میری زمیں اُداس میرا آسماں اُداس ۔ تقدیر نے عطا کئے دونوں جہاں اُداس

دردِ نہاں کے ہاتھ سے تو میں اداس ہوں ۔ رہتا ہے میری ذات سے دردِ نہاں اداس

کون و مکاں میں جسکا ٹھکانہ کہیں نہ ہو ۔ اسکی نظر میں کیوں نہ ہوں کون و مکاں اداس

جب سے نشیمن اپنا چمن میں نہیں رہا ۔ پھرتی ہیں ہر چہار طرف بجلیاں اُداس

ہر گام پہ ہے یورشِ آلام کا خطر ہے زندگی کی راہ میں عمرِ رواں اداس

میرا چمن ازل سے ہے بیگانۂ بہار ۔ ایسے میں رہ رہی ہے خزاں بھی یہاں اداس

سطحِ جہاں پہ چھا گئیں بڑھ کر اُداسیاں ۔ پھر کیوں نہ ہو نگاہ میں سارا جہاں اُداس

شاید یہ میرے دل کی اُداسی کا عکس ہے ۔ میری نظر میں آج ہے حُسنِ بتاں اداس

دونوں جہاں کی رونقیں مے خانہ لے گیا ۔ رہ جائے کیوں نہ شیخ کا باغِ جناں اُداس

ہستی کی شاہ راہ میں کوئی بھی خوش نہیں ۔ ہر رہ نما اُداس ہے ہر کارواں اُداس

ہر شعر کیوں نہ یاس کا پیغام دے رتن
بیٹھی ہے میرے سامنے اُردو زباں اداس

موسمِ گل میں بھی ویران ہے گلشن میرا۔ بجلیو آؤ جلا ڈالو نشیمن میرا

جب کبھی پھیرتا ہے رُخ جانبِ گلشن میرا۔ تھام لیتا ہے جنوں دوڑ کے دامن میرا

ذرّے ذرّے میں نظر آتی ہے اپنی صورت۔ آج پہنچا ہے کہاں دیدۂ روشن میرا

پھول جھڑتے ہیں بسِ برگ بھی زخمِ دل سے۔ کم نہیں گلشنِ فردوس سے مدفن میرا

دامِ اُلفت کے لئے کوئی خطاکار نہیں۔ اصل میں میرا ہی دل نکلا ہے دشمن میرا

اپنی عصمت پہ مجھے ناز نہ کیوں ہو زاہد۔ ڈوب کر نکلا ہے مئے ناب میں دامن میرا

ایسے حالات میں منزل پہ پہنچنا معلوم۔ رہ نما جو بھی ملا بن گیا دشمن میرا

خود بخود آپ تو کھنچا آئیگا ساحل مجھ تک۔ بن گیا موت کی آغوش میں مسکن میرا

دیکھ لی میں نے ترے دستِ کرم کی وسعت۔ نہ بھرا گوہرِ مقصود سے دامن میرا!

اشک آنکھوں سے نکلتے ہیں شرارے بن کر۔ آگ برساتا ہوا آتا ہے ساون میرا

مطمئن رہتا ہوں طوفانِ حوادث سے رتن

برقِ سوزاں کی حفاظت میں ہے گلشن میرا

تعیّن سے بالا ہمارا مکاں ہے ۔ جہاں جھک گیا سر وہیں آستاں ہے
رہِ عشق میں بے زبانی زباں ہے ۔ خموشی یہاں حالِ دل کا بیاں ہے
اُسے جزوِ کل میں نکیں دیکھتا ہوں ۔ تعجب ہے اِس پر بھی وہ لامکاں ہے
ارے دوست پوچھتا ہوں ہر اک سے ۔ میرا دل کہاں ہے میرا دِل کہاں ہے
نہ چھیڑو مری بدنصیبی کا قصہ ۔ یہاں زندگی کیا اجل نوحہ خواں ہے
اُسے بے نشاں کہنے والو یہ سوچو ۔ یہی بے نشانی تو اُس کا نشاں ہے
نہ آغاز کوئی ۔ نہ انجام کوئی ۔ بڑی بے سروپا میری داستاں ہے
نگاہیں تجھے ہر طرف ڈھونڈتی ہیں ۔ ذرا تو ہی کہہ دے کدھر ہے کہاں ہے
خوشی شاد دیکھی امیروں کے گھر میں ۔ غریبوں کے گھر میں الم شادماں ہے
نہ سمجھا میں خود بھی اسے زندگی میں ۔ مری زندگی ایک رازِ نہاں ہے
شروعِ محبّت مرا امتحاں تھا ۔ مآلِ محبت ترا امتحاں ہے
یہاں آکے اٹکا ہے ناصح کا دل بھی ۔ کوئے یار دراصل کوئے جناں ہے
مجھے کیوں نہ رغبت ہو کنجِ قفس سے ۔ یہ میری نگاہوں میں دارالاماں ہے
دیتن سب کی صورت ہے میری ہی صورت ۔ عبث دہر کی شورشِ این و آں ہے

نخوت سے پاکر چھوٹے دلا سے - ڈرتا نہیں ہے بندا خدا سے
نازل ہیں تجھ پہ لاکھوں بلائیں - لیکن تجھے کیا تیری بلا سے
اُس بے وفا سے خواہش وفا کی - نفرت ہے جس کو نام وفا کی
میرا بسیرا جب ہے قفس میں - مجھ کو خطر کیا برق بلا سے
ممکن نہیں ہے یہ بھی قفس میں - حالِ گلستاں پوچھوں صبا سے
ہو جائے اپنی ہستی سے واقف - مل جائے بندا ذاتِ خدا سے
وسعت بقا نے خود تجھ کو کھینچا - پہنچا کہاں میں ذوقِ فنا سے
میں روزِ وعدہ بے خود تھا اتنا - اُٹھ اُٹھ کے بیٹھا ہر اک صدا سے
اے زاہد پرند تیری عبادت - خالی نہیں ہے مکر و ریا سے
قاتل کا خنجر اُٹھتا نہیں کیوں - گردن جھکی ہے جوشِ وفا سے
نیکی سے رغبت اصلا نہیں ہے - بے خوف ہیں سب روزِ جزا سے
خود ناخدا نے کشتی ڈبوئی - شکوی ہے اُس کو لیکن خدا سے
دیکھے تو کوئی دل کی فراخی - نکلی ہے بڑھ کر ارض و سما سے
کہتے ہیں شاعر اُس کو رتن اب
محفل میں گائے بانکی ادا سے

لے چلے منزلِ مقصود پہ دھارے مجھ کو ۔ اب کوئی شخص نہ ساحل سے پکارے مجھ کو

میں تو کرتا ہوں کناروں کی تمنّا لیکن ۔ خود گلے ملتے ہیں گرداب کنارے مجھ کو

شبِ تاریک میں جب رستہ بھٹک جاتا ہوں ۔ روشنی دیتے ہیں اُس وقت ستارے مجھ کو

سرِ ساحل پہ کناروں کی تمنّا میں رہا ۔ تہ نشینی پہ ملے آ کے کنارے مجھ کو!

ڈوب کر بھی میں تلاطم میں اُبھر آیا ہوں ۔ اُٹھتی موجوں نے دئے خوب سہارے مجھ کو

ہجر کی رات نہیں اہلِ زمیں ہی دشمن ۔ چرخ پر آنکھ دکھاتے ہیں ستارے مجھ کو

ہاتھ موجوں نے تو پھیلائے بچانے کیلئے ۔ لیکن افسوس کہ لے ڈوبے کنارے مجھ کو

زندگی میرے لئے جال بچھاتی ہے جب ۔ موت کچھ اور ہی کرتی ہے اشارے مجھ کو

کاش تقدیر کی تدبیر سہارا دیتی ۔ میری تدبیر تو دیتی ہے سہارے مجھ کو

دوبارہ

ہجر کی رات نہیں اہلِ زمیں ہی دشمن
چرخ پر آنکھ دکھاتے ہیں ستارے مجھ کو

نامِ خدا سے سب کی رغبت کم تر ہوتی جاتی ہے
اُن کی صورت دیکھ کے دُنیا کافر ہوتی جاتی ہے

میرے ظالم قاتل کو اب خنجر کی حاجت ہی کیا
اُسکی نگاہِ ناز ہی مجھ کو خنجر ہوتی جاتی ہے

قدرت نے کیا قدرت بھردی عمرِ رواں کی فطرت میں
جتنی بڑھتی ہے اتنی ہی کم تر ہوتی جاتی ہے

میرے جذبِ عشق نے آخر اپنا رنگ جما ہی لیا!
حسنِ دل کش کی رعنائی مضطر ہوتی جاتی ہے

سوچ ذرا اے دردِ فرقت اتنا بھی تڑپانا کیا
اب تو میری آہ بھی دِل میں نشتر ہوتی جاتی ہے

ڈرتا ہوں رحمت کے دل پہ کیا گزرے گی محشر میں
میری فردِ عصیاں اب تو دفتر ہوتی جاتی ہے

سینہ سوزاں، قلب ہے بریاں - دیدہ گریاں، دل بے کل
غم کی کثرت میرے حق میں محشر ہوتی جاتی ہے

آتشِ غم نے میرا سینہ گلخن میں تبدیل کیا
گرتی ہے جو بوند اشکوں کی اخگر ہوتی جاتی ہے

جس اُلفت کو مول لیا تھا دل کی نقدی کے بدلے
وقت آنے پر اب وہ اُلفت دوبھر ہوتی جاتی ہے

اُن کی فرقت میں تو مجھ کو رونے کا بھی حکم نہیں
ضبطِ غم سے آنکھ بھی آخر پتھر ہوتی جاتی ہے

اشکوں نے کیا قیمت پائی گھر سے بے گھر ہو کے رتن
مژگاں پر جو بوند آتی ہے گوہر ہوتی جاتی ہے!

غمِ فرقت میں جینا گو بڑا دشوار ہوتا ہے!
مگر مرنا تو اِس سے بھی عذاب النار ہوتا ہے

بظاہر عشق کا رستہ بڑا ہموار ہوتا ہے
قدم رکھتے ہی بشر تو حشر سے دوچار ہوتا ہے

محبت میں تکلم کی جہاں جراُت نہیں ہوتی
سکوت اکثر وہاں شرمندۂ گفتار ہوتا ہے

خودی جب تک رہے مجبوریاں بھی ساتھ رہتی ہیں
حدودِ بے خودی میں آدمی مختار ہوتا ہے

جنون و ہوش کی تکرار میں یہ حل گیا نکتہ
کہ دیوانہ بذاتِ خود بڑا ہشیار ہوتا ہے

جمالِ یار ناممکن ہے بیرونی نگاہوں سے
اُتر کر قلب کے اندر جمالِ یار ہوتا ہے

محبت کا سفر بھی ہے اُمید و یاس کا مرکز
کبھی آسان ہوتا ہے کبھی دشوار ہوتا ہے

خوشی کے ساتھ غم آیا تو کیوں حیران ہوتے ہو
ہمیشہ پھول کے پہلو میں پیدا خار ہوتا ہے

نظر آتی ہے ہر صورت میں جس کو اپنی ہی صورت
اُسی انسان کا دل محرم اسرار ہوتا ہے

اِدھر جوشِ طلب میرا اُدھر جوش حجاب اُن کا
یہ دیکھیں پردہ کب اُٹھتا ہے کب دیدار ہوتا ہے

تلاطم خیز موجوں میں چھپی ہے راحتِ ساحل
دتن طوفان کے اُٹھنے سے بیڑا پار ہوتا ہے

راہِ وفا کی خاک کے ذرّے اُٹھا کے دیکھ

آغازِ دلِ فریب کا انجام آ کے دیکھ

اُٹھ کر حریمِ ناز کے پردے اُٹھا کے دیکھ

ذوقِ نظر کی شان کا جلوہ دکھا کے دیکھ

افسانۂ حیات کو رنگیں بنا کے دیکھ

تو مجھ کو ایک بار ذرا مسکرا کے دیکھ

ملتی ہیں ڈوبنے میں اُبھرنے کی لذّتیں

امواجِ حشر خیز کو ساحل بنا کے دیکھ

کچھ جورِ نا روا بھی عنایت سے کم نہیں

برہم نظر سے دیکھ مگر مسکرا کے دیکھ

بادِ صبا کے بعد ہے بادِ سموم بھی!
آ آ کہہ رہے ہیں یہ جھونکے ہوا کے دیکھ

سب رازِ عرش و فرش کے تجھ پر کھلیں گے شیخ
تسبیح چھوڑ کر ذرا ساغر اٹھا کے دیکھ

زاہد نشاطِ عشق پہ سو جنتیں نثار!
اس راہ گزر میں تو بھی تو اک بار آ کے دیکھ

جلوؤں کا وہ ہجوم کہ اٹھتی نہیں نظر
ہے دیکھنے کا شوق تو پردا اٹھا کے دیکھ

پھر دیکھ اس کی شانِ کریمی کے حوصلے
با صد نیاز دستِ تمنّا بڑھا کے دیکھ

ہو جائے گی تمام بہار و خزاں کی بحث
بجلی کی گود کو تو نشیمن بنا کے دیکھ

اک وقت تھا کہ تجھ میں سمائے تھے وہ رتن
اب وقت آ گیا ہے تو ان میں سما کے دیکھ

O

سُنتا ہُوں چاند تاروں سے اک جلوہ گر کی بات
پہنچی ہے کس مقام پہ ذوقِ نظر کی بات

انصاف چاہتا ہے برابر کا درد ہو
میرے جگر کی بات ہے تیرے جگر کی بات

آہوں سے کیوں نہ اپنے نشیمن کو پھونک دوں
جلتی ہے بس اِسی سے تو برق و شرر کی بات

افسوس دل کی آگ سے جلنے لگا جگر
گھر ہی میں رہنی چاہیئے تھی اپنے گھر کی بات

بے زر کی بات بات پر باتیں گھڑی گئیں!
مقبولِ خاص و عام ہوئی سیم و زر کی بات

خواہشِ جمالِ یار کی ہر دل میں ہے مگر
بنتی ہے اس مقام پہ اہلِ نظر کی بات

ہر روز آکے دیتی ہیں یہ اک نیا پیام
کوئی سنے بھی غور سے شام و سحر کی بات

اس بات میں بھی بات ہے کوئی چھپی ہوئی
سنتے ہیں بار بار وہ پیغامبر کی بات

آلام کے ہجوم میں آہوں کا ذکر کیا؟
ایسے میں آپ کیجئے بس چشمِ تر کی بات

منزل کا شوق آپ ہی منزل پہ لے گیا
راہِ وفا میں چل نہ سکی راہبر کی بات

ہر چند ضبطِ راز کی کوشش تو کی رتنؔ
کہہ دی ہے آنسوؤں نے مگر رات بھر کی بات

وفا کی شاخ جفا کی ہوا میں پھلتی ہے
تمنا کی گود میں گویا حیات پلتی ہے

وفا مدام جفا ہی کے ساتھ چلتی ہے
عجیب بات ہے پانی میں آگ جلتی ہے

زمانہ بھر کی نگاہیں بدل سی جاتی ہیں
نگاہِ یار مقدر سے جب بدلتی ہے

اگرچہ حسن محبت سے بے رُخی برتے
یہاں ہی آ کے مگر اُس کی دال گلتی ہے

رہوں چمن میں تو دل سے بے نیاز رہوں
قفس کی بات ہمیشہ یہیں سے چلتی ہے

خدا نے صورتِ شیریں تو دی حسینوں کو
مگر زبان کو دیکھو شرر اُگلتی ہے

اثر تو دیکھئے ترکِ نشاطِ ساحل کا
کہ موج بیچ کے سفینے سے اب نکلتی ہے

وفا کی راہ میں ملتی ہے بس اُسے منزل
حیات موت کے سانچے میں جس کی ڈھلتی ہے

جنہوں نے کی ہے سپرد اُس کے زندگی اپنی
اَجل بھی اُن کے سرہانے سے آکے ٹلتی ہے

اُمید ایک بھی پوری نہ ہو سکی میری
میرے دیکھو یہ قسمت بھی ہاتھ ملتی ہے

بڑا عجیب ہے قدرت کا یہ نظامِ رتنؔ
بشر کی حرص تو بڑھتی ہے عمر ڈھلتی ہے

عشق میں انقلاب ناممکن - حسن میں اضطراب ناممکن

چشمِ بینا اگر میسر ہو - وہ نہ ہوں بے حجاب ناممکن

پردہ اُٹھنے پہ چشمِ نظارہ - لائے جلوے کی تاب ناممکن

اور تعبیر نہ ہے اِس کے سوا - زندگانی کا خواب ناممکن

پیری آ کر کبھی نہیں جاتی - جا کے آئے شباب ناممکن

دیکھ پہلے اُتر کے باطن میں - پھر نہ ہو باریاب ناممکن

ہمسری اُس رخِ درخشاں کی - کر سکے آفتاب ناممکن

نیک نیکی کرے گا ہر لحظہ - دے نہ خوشبو گلاب ناممکن

ہے محبت کا درس طولانی - ختم ہو یہ نصاب ناممکن

تنگ دستی ہو اور بیماری - اِس سے بڑھ کر عذاب ناممکن

عمر بھر پی ہے چھان کر ہم نے - کیوں ہو جنت کا باب ناممکن

کیوں ہے قاصد کا انتظار رتنؔ - تیرے خط کا جواب ناممکن

○

دل لیے جاتی ہیں لڑ لڑ کے ستم گر آنکھیں
کیا ہی اُٹھ اُٹھ کے بپا کرتی ہیں محشر آنکھیں

دلبری کرتی ہیں دلبر کی جو دل بر آنکھیں
دونوں جانب سے لڑا کرتی ہیں اکثر آنکھیں

کتنی ظالم ہیں حسینوں کی جفا گر آنکھیں
گھونپ دیتی ہیں دلِ زار میں خنجر آنکھیں

جب زباں کام نہ دے بنتی ہیں رہبر آنکھیں
بے زبانی کی زباں رکھتی ہیں اکثر آنکھیں

پوچھتے کیا ہو شبِ ہجر کٹی ہے کیوں کر
نیند کی جان کو روتی رہیں شب بھر آنکھیں

دل کو لے جاتی ہیں بازارِ حسیناں کی طرف
گرم رہنے کی ہوس ہی سے ہیں خوگر آنکھیں

عاشقو دل کو کلیجے کو جگر کو تھامو
وہ اُٹھیں تیر و کماں جوڑ کے دل پر آنکھیں

ایک دیوان کا حامل ہے اشارہ ان
میں سمجھتا ہوں کہ ہوتی ہیں سخن ور آنکھیں

ہاتھ میں تیغ نہ برچھی ہے نہ خنجر کوئی
اس پہ بھی قتل کئے جاتی ہیں کیونکر آنکھیں

حسن دل کش کی تجلی کا کرشمہ کہیئے
پردہ اُٹھنے پہ بھی رہتی ہیں منور آنکھیں

نام تو دل کا ہے بدنام خطا کاری میں
اس کو اس راہ پہ لے جاتی ہیں اکثر آنکھیں

اُن کے دیدار کی خواہش ہو مبارک اے دل
شوق سے دیکھ مگر دیکھ بچا کر آنکھیں

عکسِ رخ ڈال کے جو پردہ نشیں ہو بیٹھا
ڈھونڈتی پھرتی ہیں اُس شوخ کو مضطر آنکھیں

دن تھا گھمسان کا آغازِ محبت میں رتن
دونوں جانب سے لڑی خوب برابر آنکھیں

حدِ نظر ہے نور کی دنیا لیے ہوئے !
بیٹھا ہوں اس جہان میں عقبیٰ لیے ہوئے

حاصل نہیں ہے چشمِ حقیقت نگر ہمیں
در اصل ایک قطرہ ہے دریا لیے ہوئے

جوشِ جمال دے اُٹھا ذوقِ نظر کی داد
ذرے ہیں آفتاب کا جلوا لیے ہوئے

تفریقِ کفر و دیں ہے فقط کورِ باطنی
میری نظر میں دَیر ہے کعبہ لیے ہوئے

شاید بہار آ گئی گلزارِ دہر میں
دامن کا تار تار ہے صحرا لیے ہوئے

یُوں کھیل ہی رہا تھا تلاطم کے درمیاں
ہر موج اُٹھ کے آئی سفینا لیے ہوئے

اُلفت کے درد کو نہیں حاجت طبیب کی
یہ درد خود ہے اپنا مداوا لیے ہوئے

آخر ملا وہ میری ہی صورت میں جلوہ گر
پھرتا تھا جس کی دید کا سودا لیے ہوئے

اک وقت تھا کہ مجھ کو تمنا کسی کی تھی
اب وہ ہے دل میں میری تمنا لیے ہوئے

توبہ کا احترام ہے مدِ نظر اِدھر
ساقی اُدھر ہے ساغر و مینا لیے ہوئے

دیکھوں گا کیا جواب وہ دیتے ہیں اے رتن
آیا ہوں اُن کے جور کا شکوہ لیے ہوئے

آ گئے ہیں ذوقِ نظر کی آخری منزل میں ہم
نور بن کر آپ ہی بیٹھے ہیں اپنے دل میں ہم !!

جابجا پہنچا ہماری تہ نشینی کا اثر !
بس رہے ہیں موج میں طوفاں میں ساحل میں ہم

اپنی قسمت میں نہیں ہے گو نگاہِ التفات
حاصلِ محفل ہیں پھر بھی آپ کی محفل میں ہم

ہم بٹھائے رکھتے ہیں دل میں تمہیں آٹھوں پہر
لطف تو جب ہے کہ بیٹھے ہوں تمہارے دل میں ہم

گو ہمیں اس کی حقیقت کا حقیقی علم تھا
آ گئے اس پر بھی دامِ ہستیِ باطل میں ہم !

پردۂ حائل ہمارے شوق ہی کا عکس ہے
اور خود ہی چھپ رہے ہیں پردۂ حائل میں ہم

کوئی رہ رو ہے نہ رہبر ہے نہ کوئی رہ گذر
اے فریب شوق آ پہنچے یہ کس منزل میں ہم

عمر بھر کی دشت پیمائی سے آخر یہ کھلا
اپنی ہی ہستی ہے محمل اور ہیں محمل میں ہم

مل سکی ہرگز نہ اُن کے روئے تاباں کی مثال
ڈھونڈ آئے خوب خورشید و مہ کامل میں ہم

دیکھئے شوقِ شہادت کی بلندی اے رتن
خون بن کر دوڑتے ہیں ہر رگِ قاتل میں ہم

O

اے چارہ گرو موت کا پیغام ہمیں دو - دے سکتے ہو تو عشق کا انعام ہمیں دو

ملزم ہے تمہاری ہی یہ سرمست جوانی - بے باک نگاہی کا نہ الزام ہمیں دو

کیا اُس نے کہا؟ کیا نہ کہا؟ کچھ تو کہو تم - اے نامہ بر نہ کوئی تو پیغام ہمیں دو

بخشش کیلئے ہاتھ اُٹھا ہے جو تمہارا - تلوار کے سائے میں تم آرام ہمیں دو

ساقی کی عنائت میں کوئی بات چھپی ہے - اوروں کو دیا اُس نے تو اک جام ہمیں دو

مُدت سے ہے دِل شربتِ دیدار کا پیاسا - آئے ہو تو آنکھوں کا بھرا جام ہمیں دو

یہ دستِ حنائی تو نہ پھر لہو پڑے گا - ہم آپ ہی سر کاٹیں گے صمصام ہمیں دو

ہم نے تو دل و جاں بھی کئے تم پہ نچھاور - مختار ہو جو چاہو وہی نام ہمیں دو۔

ہم کھول کے رکھ دیں گے رتن رازِ دو عالم

دو گھونٹ ذرا بادۂ گلفام ہمیں دو

مرے حسنِ نظر کی دسترس دیکھو کہاں تک ہے
سراپا نور کا عالم مکاں سے لامکاں تک ہے

فقط گفتار سے کردار پہچانا نہیں جاتا!
زمانے میں زباں کا پاس بس نوکِ زباں تک ہے

سنو اے دوستوں کی دوستی پہ پھولنے والو
جہاں میں دوستوں کی دوستی کام و دہاں تک ہے

فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں جس منزل میں جانے سے
ہماری چشمِ بینا کی رسائی اب وہاں تک ہے

کسی کے حسنِ عالمگیر کا یہ معجزہ کہیئے
ہمارے عشق کا چرچا زمیں سے آسماں تک ہے

اگر دریا میں قطرہ جا ملے قطرہ نہیں رہتا
جبینِ شوق کی ہستی سجودِ آستاں تک ہے

چمن والو یہ مستقبل کی باتیں بجلیاں جانیں
ہمارے کام کی حد تو بنائے آشیاں تک ہے

اٹھا کر نور کا پردہ رُخِ پُر نور کو دیکھا
تعالیٰ اللہ رسائی چشم بینا کی کہاں تک ہے

میرے عصیاں کی وسعت ہے ترے پیشِ نظر یا رب
دکھا مجھ کو تری رحمت کی وسعت بھی کہاں تک ہے

رتن تاثر کی خواہش ہے تو یہ یاد رکھ نکتہ
اثر کا دار زباں کے عشق سے حسنِ بیاں تک ہے

راہِ حیات کاٹ کے سب ہم سفر گئے ۔ ہنس کر گزر گئے کئی رو کر گزر گئے

ہے بات اک زندہ رہے یا کہ مر گئے ۔ اپنے ہی گھر سے ہم چلے اپنے ہی گھر گئے

ہم حسنِ دل فریب کے دل میں اتر گئے ۔ آ کر جہانِ عشق میں کیا کام کر گئے

ہم بھی تھے بامراد کبھی راہِ شوق میں ۔ اے بےکسی بتا وہ زمانے کدھر گئے

کیا ڈھونڈتے ہوئے دلو ساحل کی ریتیاں ۔ دریا محبتوں کے تو چڑھ کر اتر گئے

محرومیٔ نصیب کا نقشہ وہی رہا ۔ بدقسمتی بھی ساتھ گئی ہم جدھر گئے

رسوائیوں کے فیض سے عزت ملی ہمیں ۔ جتنے بھی ہم بگڑ گئے اتنے سنور گئے

کوئی اثر نہ ہو سکا اب تک نصیب پر ۔ نالے مرے ہزار دفعہ عرش پر گئے

ہستی کی راہ کٹ گئی بس تین گام میں ۔ آئے برائے نام جئے اور مر گئے

اپنی حیات کٹ گئی روتے ہوئے رتن
باچشمِ تر ہی آئے تو باچشمِ تر گئے

○

عشق تو دائم کھیلتا رہتا ہے طوفانوں کے ساتھ
اے شبابِ حسن تو بھی کھیل ارمانوں کے ساتھ

کتنا عالم گیر ہے شوقِ شہادت کا اثر !!
شمع خود بھی جان دے بیٹھی ہے پروانوں کے ساتھ

سامنا ہوتے ہی سب فرزانگی جاتی رہی !
عقل والو کیوں اُلجھ بیٹھے ہو دیوانوں کے ساتھ

مے کدے میں کس قدر پاسِ ادب ملحوظ ہے
بات کرتی ہے صراحی جھک کے پیمانوں کے ساتھ

جوشِ وحشت میں مجھے خود ہی بلا لے جائیں گے
ایک دیرینہ تعلق ہے بیابانوں کے ساتھ

دیکھ اے مستِ امارت چشمِ عبرت کھول کر
جھونپڑے بھی تو ہیں عالی شان ایوانوں کے ساتھ

پھول گلشن میں کھلے تو دشت میں گُل کھِل گئے
دستِ وحشت سے ملے دامن گریبانوں کے ساتھ

کیوں نہ پیارے ہوں دل و جاں سے مجھے درد و الم
پیار اکثر فطرتاً ہوتا ہے مہمانوں کے ساتھ

سوچ کر پر تولنا اے طائرِ کوتاہ بیں
دام بھی پھیلا ہُوا ہے سامنے دانوں کے ساتھ

غور سے دیکھیں تو باہم خون کے پیاسے ہیں لوگ
اُنس کیا ہے خاک انسانوں کو انسانوں کے ساتھ

کس قدر وسعت ہے میری چشمِ بینا میں رتنؔ
سینکڑوں کعبے لئے پھرتا ہوں بُت خانوں کے ساتھ

یوں تو ہر آہ مری عرش بریں تک پہنچی ۔ بات تقدیر کی لیکن نہ یقیں تک پہنچی
آہ دل اٹھتے ہی اس ماہ جبیں تک پہنچی ۔ آگ بھڑکی جو مکاں میں وہ مکیں تک پہنچی
جب اٹھے ہاتھ گناہوں کی معافی کیلئے ۔ عرش سے رحمت حق فرش زمیں تک پہنچی
جب سنی میری تباہی کی کہانی اس نے ۔ یوں کہا ناز سے بس بات یہیں تک پہنچی؟
کس قدر شوخ ہے بے باک ہے چشم پر شوق ۔ جب اٹھی اٹھتے ہی اس رخ حسیں تک پہنچی
چشم بینا کے تجسس کا کرشمہ دیکھو ۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس پردہ نشیں تک پہنچی
جب قدم میں نے حد سجدہ سے آگے رکھا ۔ اڑ کے خود خاکِ در یار جبیں تک پہنچی

چھیڑ کرتے ہو حسینوں سے رتن یہ تو سوچو
ایسے عالم میں اگر ہاں کبھی نہیں تک پہنچی؟

بجلی کی چمک طور کا جلوا نہیں ہوتی
ہر اک فضا وادیٔ سینا نہیں ہوتی

سچ یہ ہے محبّت کبھی پختا نہیں ہوتی!
جب تک کہ زمانے میں وہ رسوا نہیں ہوتی

سن کر کہ وفا حسن میں اصلا نہیں ہوتی
غصّے سے وہ یوں بول اُٹھے اچھا نہیں ہوتی؟

ظاہر کی سجاوٹ کو نہ آنکھوں میں بساؤ!
ہر شے جو چمکتی ہے وہ سونا نہیں ہوتی!

ہر عقدے کا حل دہر میں موجود ہے لیکن
پڑ جائے اگر دل میں گرہ وا نہیں ہوتی

مشکل ہے محبت کی ہر اک بات کا رکھنا
ہے بات وہی بات جو افشا نہیں ہوتی

بستا ہے جہاں کیف کا عارف کی نظر میں
اُس کے تو یہاں شورشِ مینا نہیں ہوتی

اُس دل کو کبھی اہلِ نظر دِل نہیں کہتے
جس دِل میں کہ احساس کی دُنیا نہیں ہوتی

جذبات کی تاثیر کا اعجاز ہے ورنہ
وحشت کو تو پابندیٔ صحرا نہیں ہوتی

وہ ذات تو بخشندہ ہے افسوس ہمیں کو
کچھ جرأت اظہارِ تمنا نہیں ہوتی !!

وہ آنکھ حقیقت میں رتن آنکھ نہیں ہے
جو حُسنِ حقیقت سے شناسا نہیں ہوتی

میں محوِ فنا ہو کے بقا بھول گیا ہوں !
چھائی ہے خودی نہ کہ خدا بھول گیا ہوں

ایک یاد ہے محبوب کی جو یاد ہے اب تک
جو ذہن میں تھا اِس کے سوا بھول گیا ہوں

دل میں تو طلب یہ تھی ملے اُن کا پتا کچھ
افسوس کہ اپنا ہی پتا بھول گیا ہوں

پیری کی سحر آئی - گئی شامِ جوانی!
نخوت نے جو باندھی تھی ہوا بھول گیا ہوں

آئی ہے رہِ شوق میں یہ کون سی منزل
میں اپنی وفا ان کی جفا بھول گیا ہوں

گو بھولنے والے نے میری یاد بھلائی
میں اُس کے بھلانے کی ادا بھول گیا ہوں

برباد نشیمن کی بنا رکھ لی ہے پھر سے
کم فہم ہوں پھر برقِ بلا بھول گیا ہوں

احساسِ غم و رنج کوئی چیز نہیں ہے!
میری ہی خطا ہے کہ رضا بھول گیا ہوں

باطن کی خموشی میں ترنم کا مزا ہے
اب عالم ظاہر کی صدا بھول گیا ہوں

ہے قلب میں داغوں کی بہاروں کا نظارا
یہ دیکھ کے گلشن کی فضا بھول گیا ہوں

غیروں کی نوازش تو رہی یاد ہے اب تک
اپنوں کی محبت کا مزا بھول گیا ہوں

عمرِ خواہش میں رہی خواہشِ دیدار اب تک
اُن کو ہے پردہ نشینی سے وہی پیار اب تک
قربتِ یار نظر آتی ہے دشوار اب تک
دلِ مشتاق ہے منزل کا طلبگار ہے اب تک
آدمی روزِ ازل سے ہے گنہگار اب تک
اور پھر اس پہ ہے رحمت کا طلبگار اب تک
خود غرض کتنی ہے یہ تیری خدائی یا رب
پایا ہر ایک کو مطلب کا پرستار اب تک
ایک مدت سے جھکا رکھی ہے گردن ہم نے
اس پہ بھی اُٹھ نہ سکی آپ کی تلوار اب تک

حسنِ مستور کی یہ شانِ تجلی توبہ
ہوش میں آ نہ سکا طالب دیدار اب تک

سینکڑوں سال سے فریاد کناں ہے دُنیا
چرخِ کج رو سے نہیں بدلی ہے رفتار اب تک

برقِ سینا بھی قیامت کا اثر رکھتی ہے
غور سے دیکھئے پتھر ہیں شرر بار اب تک

ہر برس موسمِ گل آ کے چلا جاتا ہے
نہ کھلا میری تمناؤں کا گلزار اب تک

ایک ہی چیز نظر آتی ہے دونوں میں مگر
نہ مٹی کعبہ و بُت خانہ کی تکرار اب تک

یہ تمنا ہے کہ پامال کریں وہ ہم کو
منتظر بیٹھے ہیں اے شوخیٔ رفتار اب تک

زاہدِ خشک تو پابندِ تعیّن ہی رہا
اِس لئے ہو نہ سکا محرمِ اسرار اب تک

دِل لئے پھرتا ہوں بازارِ محبت میں رتنؔ
نہ ملا جنسِ گراں قدر کا خریدار اب تک

O

کوئی تدبیر بتاؤ کہ کٹے ہجر کی رات ۔ جام بھر بھر کے پلاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

سرنگوں بیٹھے ہو کیوں چارہ گرو بالیں پر ۔ نوش میں نیش ملاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

کس لئے ہنستے ہو کم بخت ستارو مجھ پر ۔ ظالمو ڈوب بھی جاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

زندگی موت کا سامان لئے بیٹھی ہے ۔ موت کو جلد بلاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

دوستو میری کہانی کو نہ دل میں لاؤ ! ۔ کوئی افسانہ سناؤ کہ کٹے ہجر کی رات

آؤ اے دردِ غم و یاس خوشی سے آؤ ۔ دل کی بستی کو بساؤ کہ کٹے ہجر کی رات

شب فرقت بھی نہ آغوش کو خالی رکھو ۔ غم کو پہلو میں بٹھاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

بازیٔ عشق کوئی بازیٔ طفلاں تو نہیں ۔ جان کا داؤ لگاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

میرا ہونا ہی غم و یاس کا موجب ٹھہرا ۔ ایسے ہونے کو مٹاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

حرص کی آگ تو دوزخ کو جلا دیتی ہے ۔ نار کو نور بناؤ کہ کٹے ہجر کی رات

غم کا احساس تو غم اور بڑھا دیتا ہے ۔ دل کو مسرور بناؤ کہ کٹے ہجر کی رات

ایک اک ساعتِ شب روزِ قیامت ہے وتنؔ
فرش سے عرش ملاؤ کہ کٹے ہجر کی رات

مُتفرّقات

تقصیر یہی ہے کہ نہیں کوئی بھی تقصیر + کہیئے کہ سوا اس کے ہے تقصیر کوئی اور

پوری جو اُتر جائے وہ تدبیر نہیں ہوتی + بن جائے مگر جو وہ تقدیر نہیں ہوتی

خنجرِ غم اس طرح پیوست میرے دل میں ہے + میں تو مشکل ہی میں تھا اب غم بھی خود مشکل میں ہے

گردشِ دوراں کو خود گردش میں لے آئے گا میں + کیوں ڈراتی ہے عبث یہ گردشِ دوراں مجھے

لطیفا ہر ہمبازی نظر سے نہاں ہے + جو دیکھو تو ہر چیز سے وہ عیاں ہے

ہوتا ہے سب کچھ اُس کی رضا سے + حاصل نہیں کچھ آہ و بکا سے

بچنے کی صورت کوئی نہیں اب + گھائل ہُوا ہوں تیغِ ادا سے

اور تو سب کو ملے نیک ستارے لیکن + جن کے خالق نے دئیے نحس ستارے مجھ کو

چارہ گروں کو یہ دھوکا ہے گرتی جاتی ہے صحت۔ لیکن میرا دل کہتا ہے بہتر ہوتی جاتی ہے

نگاہِ ناز نے سیکھی کہاں سے تیر اندازی + کہ جو بھی تیر چلتا ہے جگر کے پار ہوتا ہے

رتن اب دیکھئے میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے + اُدھر تو اُس کی رحمت ہے اِدھر ہیں میری تقصیریں

عمر بھر شومئی تقدیر نے اٹھنے نہ دیا + سر پہ بیٹھا ہی رہا رنج و الم کا پہرا

کوئی غم گسار ہوتا کوئی رازدار ہوتا + مرے بے قرار دل کو کہیں تو قرار ہوتا
ترے حسن کا جہاں میں دگنا وقار ہوتا + مجھے تجھ سے پیار تھا ہی تجھے مجھ سے پیار ہوتا
تری رحمتوں کا تخمینہ جو نا ساز گار ہوتا + تو کوئی بشر جہاں میں نہ گناہ گار ہوتا
مرے دل میں کھنچ رہی ہے تری شکل نور پرور + تری نگہہ نازنیں بھی مرا حال زار ہوتا
مرے بخت نارسا نے مجھے نارسا ہی رکھا + جو یہ نارسا نہ ہوتا تو میں کامگار ہوتا
کون سا سحر پھرا تو نے عدم میں یارب + کوئی مڑتا ہی نہیں اُس کی فضا میں جا کر
اِس حقیقت سے کسی کو نہیں انکار رتن + عشق کا حسن نکھرتا ہے غزل میں آ کر

چمن میں پھر صبا لائی گلوں کی فصل کا مژدہ + جنوں بھی پھر خرد سے برسر پیکار ہوتا ہے
گھٹا چھائی، فضا مہکی، کدھر ہو مے کشو آؤ + وہ رت آئی کہ جس میں شیخ بھی مے خوار ہوتا ہے

کونپلیں پھوٹی ہیں دیوانوں کی بن آئی ہے بہار + اے جنوں مژدہ ملے دامن گریبانوں کے ساتھ
ابر چھایا ہے، گلستاں ہے سہانی شام ہے + واعظو ایسے میں آؤ تم بھی مستانوں کے ساتھ

دنیا کے لئے ہم نے عبث دین گنوایا + تسکین دل زار سے دنیا نہیں ہوتی
پچھتاؤ نہ مایوسی پیہم پہ طبیبو + بیماریٔ الفت بھی تماشا نہیں ہوتی

دنیا کی محبت نے مجھے دین بھلایا + میں روز جزا اور سزا بھول گیا ہوں
جس دن سے مجھے میری قضا بھول گئی ہے + اُس دن ہی سے میں اپنی قضا بھول گیا ہوں

آئی ہے ہوا اس مجھے کنجِ قفس کی + اب صحنِ گلستاں کی ہوا بھول گیا ہوں

محض ناکارہ ہے تقدیر کے آگے تدبیر + اس کی ہمت ہے مگر برسرِ پیکار ابھی تک

فصلِ گل کی کیف باری دیکھئے + ذرّہ ذرّہ مے کدہ بردوش ہے
دیکھئے رنگینیٔ ذوقِ خلش + دشت کا ہر خار بھی گل پوش ہے

قندِ پارسی

غزلیات

در قندِ تو خندہ رخنہ کردہ
ما جاں بقصورِ آں نہادہ
(نظیری)۔

O

این و آن را ترک کردہ محرمِ اسرار باش - در طریقِ بیخودی دیوانہ ہشیار باش!
در نشاطِ خلد گم شد زاہدِ پرہیزگار - گر جمالِ یار خواہی رندِ شورے خوار باش
می نمائی تو چرا مجبوریٔ ہمت شکن - خیز و برپا شو بمیدانے علم بردار باش
چشم تو بیند خدا را در حجاباتِ خودی - بے خودیٔ شوق می گوید ترا ہشیار باش
کارزارِ عشق خواہد سخت جانی پختگی - دل فراہم کن ز ہمت بر سرِ پیکار باش
بے نیازی ناز کن گاہے نیازِ عشق را - گر بخواہی کامرانیٔ عاشقِ خوددار باش
بر وجودِ فرخِ تو چشم دارد عالمے - کشتِ امیدِ جہاں را ابرِ گوہر بار باش
محوِ حسنِ دل نشیں گشتہ سراپا حسن شو - در تلاشِ نورِ خود ہم مطلعِ انوار باش
در محبت خاک گردیدن وجودِ عشق است - از کمالِ شوق جزوِ آستانِ یار باش
ہر کسے بر خلقِ بدفیِ تو رتن شیدا شود - در حیاتِ خویش دائم گلشنِ بے خار باش

O

از فیضِ عشق آرزوئے دل بما رسید - در قعرِ یم فراخیٔ ساحل بما رسید
بیند ایں کرشمۂ ذوقِ نگاہ را - ہر ذرہ مثلِ صورتِ منزل بما رسید
از فرطِ شوق گردنِ تسلیم خم شُد - خنجر بدست قاتلِ عاقل بما رسید
ہر جنبشِ نگاہ بگردید موجِ نور - در تیرگیٔ شب مہِ کامل بما رسید
خاکِ رہش نشیم جبینِ نیاز را - مژدہ کہ وجہِ رونقِ منزل بما رسید
ما را آورد جوشِ تمنا در آں فضا - ہر ہر قدم تجلیٔ منزل بما رسید
بر اوجِ بختِ خویش بنازیم اے رتن
ساغر بدستِ ساقیٔ محفل بما رسید

○

در فغانم ایں قدر تاثیر است - چشم بر ہم مائل تعبیر است
ایں مآل آہِ بے تاثیر است - ہر نفس حل را اشکال تقریر است
پرتو آں ماہ پُر تنویر است - دل ز آں آئینہ تصویر است
ایں مآلِ گردشِ تقدیر است - بے اثر ہر نالۂ شب گیر است
اے جنوں شنویم پیغام بہار - بے اثر پابندیٔ زنجیر است
ہیں تقاضائے وجود عشق را - خاکِ راہِ شوق دامن گیر است
کسا سجی در درد و دنیا اور کجا - خود حیاتِ حسن ہم دلگیر است

زیبِ سر از شوق بکنم اے رتن
خاکِ نقشِ پا مرا اکسیر است

○

کس نہ بیند آشکارا جلوۂ مستور را - نور ہم خود پردہ گردد آں رخ پر نور را
از کجائی تو کہ داری دعوئ تاب نظر - التہابش ندیدہ آتش کرد سنگ طور را
المدد اے رہنمائے منزل ما المدد - از نور شوق وا ندیدیم راہِ دور را
از حدودِ شرع بیروں شو کہ بینی جلوہ اش - محرم حق بشکند پابندیٔ دستور را
سنت رہبر چرا کم فہم در راہِ طلب - جذبۂ صادق نماید بگذار طور را
در مقامِ بے خودی معبود و عابد یک شوند - قابلِ الزام می دانی چرا منصور را
جان و دل را در بساطِ عشق باید باختن - تا بدست آریم آں رعنائی مستور را
بے خبر ہستی کہ بالی بر فروغ بزمِ خود - روز روشن منتظر باشد شب دیجور را

باغ دنیا در نگاہ من نمی گنجد رتن
سیر ایں عمدہ خوش مبارک زاہد مغرور را

خوشا وقتے کہ فردوسِ نظر آں آستاں دارم ۔ مکانِ لامکاں دارم نشانِ بے نشاں دارم

ز ہر ذرہ تجلی ہائے پنہاں را عیاں دارم ۔ نگاہِ شوق دارم دلِ جنت نشاں دارم

جہاں را ایں قدر محوِ نشاط جاوداں دارم ۔ سرورِ رنگ و بو دارم بہارِ بے خزاں دارم!

چرا نازاں نشوی اے حسن بر شانِ وجودِ خود ۔ زمینِ عشق بالاتر ز اوجِ آسماں دارم

شمیمِ روح پرور در ریاضِ آرزو جز قصد ۔ گلِ امید را از لطفِ او عنبر فشاں دارم

نمی ترسم ازیں پست و بلندِ گردشِ دوراں ۔ کہ در راہِ حیاتم آں امیرِ کارواں دارم

ببیں ایں وسعتِ چشمِ تصور در رہِ الفت ۔ دلِ کوچک ترین را جائے کون و مقام دارم

صعوباتِ رہِ پرشوق چہ گویم کرا گویم ۔ بہر گامے کہ برخیزم بلائے امتحاں دارم

حضورِ یار خاموشی بیاں کردست حالِ دل ۔ پئے اظہارِ تعظیمش زبانِ بے زباں دارم

نمی ترسم از سرِ نو محشرے برپا بشود شاید ۔ دریں ایام آں نامہرباں را مہرباں دارم

رہِ من ضعفِ بدن از پیش رفتن باز می دارد

بمیدانِ سخن اسپِ قلم را ناتواں دارم

بینی بچشم بینا حسن کرشمہ زارا - یابی درونِ باطن محبوب جلوہ آرا

اے ضبطِ اشک ہا را امسد شو دکن خدارا - دردا کہ رازِ پنہاں گردید آشکارا

خواہی اگر ز خوباں اندازئ وفا را - ہر جور ہر جفا را از دل بکن گوارا

در راہ شوق بینم ویرانہ ذرّہ ذرّہ را - من خوب می شناسم انوار نقش پا را

در جستجوئے منزل آمد چناں مقامے - من راہ می نمائم گم گشتہ رہ نما را

فریاد آہ و نالہ بے سود بے اثر است - باشد دلِ نگاراں مانندِ سنگ خارا

در صحبتِ نگاہے تاثیر کیمیا است - یک جنبشِ نگاہش سلطان کند گدا را

من آمدم بہ آں جا از فیضِ عشق صادق - زیر فضا [illegible] رعنائی بقا را

پیشِ منت جلوہ ہفکین چہ چارہ سازم - نے در نگاہ طاقت نے در زبان یارا

در دیر و کنشتہ بینم در کوہ و صحرا جویم - آخر بہ دل بیابم آں یار آشنا را

زار و زبونِ بیتی دعائے در بارگاہ ایزد

روزے ببخش مولا درویش بے نوا را

تصور از حجابات خودی بکند خدا پیدا
شود از ابتدا حسنِ کمالِ انتہا پیدا

زہے جوشِ طلب، جوشِ تمنا، جوشِ شوقِ دل
ز عشقم در دلِ معشوق شد جوشِ وفا پیدا

خودی ہا محو گردد پردۂ رخ گر تو برداری
نماند تیرگی باشد چو مہرِ نور زا پیدا

طبیب از دوا سازیِ من ناکام می ماند
ز دردِ سوزِ عشقم می شود آخر دوا پیدا

دریں صحرائے بے پرسش مرا چہ حاجتِ رہبر
کند خود گم رہی در راہِ الفت رہ نما پیدا

زباں در بارگاہِ حسن چوں عاجزتریں ماند
سکوتِ عاشقِ صادق کند آخر صدا پیدا

بشو بیروں ازیں پابندیٔ دیر و حرم یکسر
شود از ترکِ ایں و آں نشانِ مدعا پیدا

مرا از سایہ در اقلیمِ الفت تاجور کردہ
ز زلفِ عنبریں تو شود بالِ ہما پیدا

رسی از سازِ عشقِ دل سرودِ سرمدی شنوم
کنم زیں طور از شانِ محمد شانِ خدا پیدا

دیدنِ جلوهٔ مستوره تقدیر نبود — ورنه در چشم طلب حجتِ تقصیر نبود
آتشِ هجر چنان شعله‌فشان شد دلِ شب — هیچ تدبیر بجز نالهٔ شبگیر نبود
بے اثر بود مرا عرضِ تمنا افسوس — ورنه در رحمتِ حق بدعتِ تاخیر نبود
هر کجا رفتم و هر نقش ز نگارے دیدم — هیچ تصویرِ تو در عالمِ تصویر نبود
شکوهٔ چرخِ ستمگار سراسر باطل — آه در آهِ مرا قوتِ تاثیر نبود
من فنا کردم ازیں هستیِ خود دارایش — جز فنا بهرِ بقا حاصلِ تدبیر نبود
در رهِ شوق چرا زیبِ جبینم نکنم — بهتر از خاکِ کفِ پائے تو اکسیر نبود

پیشِ محبوبِ جفاکار زباں را بستم
که خموشی را دریں حاجتِ تقریر نبود

O

دارم ز فرطِ یاس دلم را دریده تر ـ سینہ ز آتشِ غمِ عشقش تپیده تر

خواہم کہ از تصورِ ش با چشم کشیده تر ـ گر دید بسکہ خارِ محبت خلیده تر

دعویٰ مکن کہ بارِ علائق نہ داشتی ـ پا یہ ز بندِ ہستیِ خود ہم جریده تر

زر دارد گیر و مہر سکونے نیافتم ـ چنداں کہ زور تر ز کساں آرمیده تر

بینی بکمالِ شوق جبینِ نیاز را ـ بر آستانِ یار بدادم خمیده تر

در فصلِ گل چو نالۂ دیوانگاں شنید ـ ہر گل نشد بباغ گریباں دریده تر

چہ اعتبارِ گردشِ پیمانۂ نشاط ـ بینم حیاتِ خویش گریباں دریده تر

تیر از کمانِ شاہِ حسیناں کشیده ام ـ تیرے مرا بداد و شدم آرمیده تر

بر مستیٔ شباب نازاں مشو تقیؔ
بینی کنوں کہ طائرِ فرصت پریده تر

ہر نقشِ قدم منزلِ مقصود بدانم - ہر راہ گزر جادۂ معبود بدانم
تا عشقِ نظر بینم انوارِ تجلی - یک جان کنوں شاہد و مشہود بدانم
در جوششِ سودا سود و زیاں ہیچ نبودے - ایں بحث دریں مرحلہ بے سود بدانم
ایں عشوۂ تزویر بہر گام بدارد - من خوب رہِ ہستیِ بے بود بدانم
برسید کجا ذوقِ نظر ذوقِ تمنا - تفریق نہ در عابد و معبود بدانم
تحقیق کنم کارگہِ دیر و حرم را - مسدود چرا آں جادۂ مقصود بدانم
از چشمِ طلبگار تو مستور چرائی - در پردہ ترا حاضر و موجود بدانم
در گلشنِ من اشگفتہ کسے نیست بیانے - مردے کہ ورا بینم و محمود بدانم

آں جلوہ کہ در وسعتِ کونین نگنجد
در سینہ زتن ہستیِ محدود بدانم

رباعیات

فارسی

○

تاریکئ شب ہیبتِ طوفاں حائل
دریائے خطرناک ندارد ساحل
در راہِ بلاخیز فتادم یا رب
آ! دستِ مرا گیر و رساں با منزل

در راہِ طلب بسکہ پریشاں ہستم
بے یار و مددگار و نگہباں ہستم
اے ناصرِ کونین نصیرِ من شو
متمنئ انفضالِ فراواں ہستم

فردوسِ نظر جلوۂ تاباں دارم
در سینۂ خود معدنِ عرفاں دارم
مانوسِ تجلیست دلِ خویشتن
ہر موجِ نظر نور بداماں دارم

جاناں! دلِ عشّاق شکستن دانی
در صحبتِ اغیار نشستن دانی
یاد است ترا محض گسستن اے شوخ
یا رشتۂ مہر نیز بستن دانی

از کثرتِ آلام پریشاں ہستم
بیمارِ غمِ فرقتِ جاناں ہستم
بر حالِ زبوں رحم بکن اے داور
ہر لمحہ شب و روز ثنا خواں ہستم

غم کاش حیاتِ جاودانی بودے
ہر وقت ز راشک ہا روانی بودے
دستورِ وفا نیز تقاضا دارد
تقدیرِ حیات کامرانی بودے

بینیم طلسمات خیال جاناں
بر طور برد شوق جمال جاناں
در دیر و حرم گرچہ بجوئیم مگر
یابیم بدل حسن جلال جاناں

تصویر نشاط زندگانی دیدم
یعنی کہ علامات جوانی دیدم
چوں رفت شباب عہد پیری آمد
انجام فریب عمر فانی دیدم

در راہ طلب خضر بپا می باشد
دل پیکر تسلیم و رضا می باشد
چہ باک زیں راہ گزار الفت
ہر وقت خبر گیر خدا می باشد

بینیم ز آغاز مآل ہستی
جز وہم و گماں نیست کمال ہستی
تسکین در آغوش فنا شد حاصل
بکشید ز دل دور خیال ہستی

قطعات
فارسی

قطعہ تاریخ وفات حضرت جوش ملسیانی مرحوم

آہ رحلت کرد جوشِ خوش نوا — گوئی شد ویران بستانِ سخن

گشت برہم محفلِ علم و ادب — برزمیں افتاد ایوانِ سخن

وائے مرگش است مرگ شاعری — لامحالہ بود او جانِ سخن

در وطن لاریب صدہا شاعراں — یافتند از جوش فیضانِ سخن

تا ابد ہرگز نہ خواہد شد رفو — پارہ پارہ گشت دامانِ سخن

مضطرب بینم دیارِ شعر را — جاں بحق گردید سلطانِ سخن

گو رتن سالِ وصالش ایں چنیں — مُرد حالا موجب شانِ سخن

۱۳۹۶ ہجری

قطعہ تاریخ وفات سردار کرپال سنگھ بیدار مرحوم

حضرت بیدار از دنیا برفت — شد جہانِ شاعری صرفِ محن

اے رتن بنویس تاریخ وفات — کرد رحلت رونقِ بزمِ سخن

۱۹۷۷

عیسوی

قطعہ تاریخ طباعت "یادگار نامہ"

جو جشنِ شائق کے موقع پر پیش ہوا

آں شاعرِ یگانہ سرآمدِ زمانہ - نامش جناب شائق صدنازِ خوش بیانی
جدّت طرازِ کامل معجز نگارِ فاضل - دانائے بذلہ سنجی استادِ نکتہ دانی
ہر شعر پُر حلاوت ہر لفظ پُر ملاحت - شیرینیٔ کلامش ہمچوں رطب بدانی
رعنائیِ بیانش حُسنِ بہار دارد - در شعرِ او ببینم رنگینی و روانی
تاثیر و دل پذیری پیدست از کلامش - ربِّ کریم اورا بخشید تر زبانی
نذرانہ پیش خدمت شد یادگار نامہ - ایں ہدیۂ عقیدت نقشیست جاودانی
تاریخ چوں رتن جست آواز داد ہاتف - اصل بہار گشتہ بستان شادمانی

۱۹۷۳ عیسوی

قطعہ تاریخ ولادت فرزند ارجمند

جناب نور شاہ اسسٹنٹ انجینئر برکا نادیہار

صد شکر باغِ شوق ہمیں بہار شد - ربِّ کریم داد پسر نور شاہ را
نخلِ مرادِ شاہ بگردید بارور - بر ہر زبان ہمیں بود فرانست مرحبا
ایں مژدۂ نشاط بہار و چہ دلکشی - بہجت فزا گشتہ بہر سمت ہر فضا
اللہ عطا کناد بہ مولود عمرِ خضر - از ہر دلِ عفیف بجز ویں ہمیں دعا
پیغامِ زندگیست نویدِ دل آفریں - احباب در سرور رقصند بر ملا
بادیر نور شاہ بنازد بہ بخت خویش - ایں نعمتِ عظیم ببخشید کبریا!
بہ انبساط سالِ ولادت رتن بگفت - صحفِ حیات زرِ خدا نور شاہ را

۱۳۹۴ ہجری

قطعۂ تاریخ اشاعت "تبسم"

مصنفہ جناب رام لال نابھوی

نوشتہ نابھوی صاحب کتابے ۔ شگفتہ سر بسر باغ لطافت
نہادہ نامش دل کش تبسم ۔ بشد شاداب بستانِ حذاقت
مزاحِ طنز و طعنہ و تمسخر ۔ بیانش در حدِ تہذیب و نظافت
بنازد فنِ انشا بر چو روشش ۔ ز ہر تحریر ظاہر است جودت
ادب پرور ادیب گستر ادب جو ۔ تراود می ز ہر لفظے حلاوت
دماغش را خدا بخشید پرداز ۔ قلم را داد اعجاز و کرامت
عیاں باشد بہ ہر سو خوش مزاجی ۔ زبانش را میسر شد عذوبت
زہے ایں سہل گوئی سہل جوئی ۔ بہ ہر حرفے بود قرباں سلاست
منقش گشت در دل ہر بیانش ۔ تعالی اللہ تاثیر و نزاکت
بظاہر سادگی مترشح گردد ۔ بباطن است پنہاں گنج حیرت
رقم ہاتف بگو یا بہر تاریخ ۔ کمالِ موزح گلزار ظرافت!

۱۹۷۹ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات رتن پنڈوروی

مصنف کتاب ہذا

مرحبا! آمد مرا حکمِ اجل - از رتن دل می کنم شکرِ خدا

اے رتن سالِ وفاتِ خود بگو مُرد مالا خاکسار و پُرخطا

۱۹۸۴ عیسوی

بے جام ہمہ مے کش و بے بادہ ہمہ مست
از نظمِ من آئینِ مغاں رسمِ کہن شد

نظیری

نظمیاتِ اردو

بھگوان کرشن کی سولہ کلائیں

۱ - دِرِشٹی کلا

بھگوان کی نظر میں ہے دو نو جہاں کا راز - پردہ نشیں ہیں وہ جانتے ہیں این و آں کا راز
نرنکار کے نام سے مشہور ہیں - مگر - پیشِ نگاہ نور ہے کون و مکاں کا راز

۲ - اَدرِشٹی کلا

پوشیدہ یوں وہ زیرِ حجاباتِ نور ہیں - ہر شے میں رہنے پر بھی نگاہوں سے دور ہیں
ہیں دل فریب اُن کی تجلّی کے شعبدے - انسان کے لباس میں ربِّ غفور ہیں

۳ - سپرشی کلا

وہ آپ اپنے نور میں مستور ہو گئے - نرگن کے نام سے جبھی مشہور ہو گئے
نادر ترین ہے خود کو چھپانے کی یہ ادا - دُنیائے محسوسات سے کافور ہو گئے

۴ - آکرشنی کلا

کتنی کشش ہے آپ کے اسم طہور میں - بھگتوں کو کھینچ لیتے ہیں اپنے حضور میں
نرگن سے ایک آن میں ساکار بن گئے - یکسانیت ہے آپ کے نزدیک و دور میں

۵ — بہوروپی کلا

رتھ بان بن گئے کبھی باون کبھی بنے ۔ بنسی کی تان چھیڑ کے کاہن کبھی بنے
شکلیں بدل کے آپ نے کھیلے ہیں کھیل کیا ۔ گردھر کبھی بنے تو برہمن کبھی بنے

۶ — رہستی کلا

بھگوان کا مکان ہے ہر گل میں خار میں ۔ قطرے میں بحر و لجر میں ہے آبشار میں
عرشِ بریں پہ فرشِ زمیں پر بھی بنے رہی ۔ نذرِ خزاں کے قہر میں حسنِ بہار میں

۷ — کرنی کلا

دیدوں نے جوشِ شوق سے مدح سرائی کی ۔ رشیوں نے خوب داد دی تھی پارسائی کی
منیوں نے دیوتاؤں نے کی ہیں ریاضتیں ۔ لیکن نبھا بن سکی لاز آشنائی کی!

۸ — گمنی کلا

دکھیوں کے ہاتھ جب اٹھے فریاد کیلئے ۔ چشمک زدن میں آگئے امداد کے لئے
مظلوم کا سکون ہیں بے کس کا آسرا ۔ راحت رساں ہیں ہر دلِ ناشاد کیلئے

۹ — اُتپادنی کلا

گلشن کو دشت دشت کو گلشن بنا دیا ۔ بستی کو اک آن میں مدفن بنا دیا
نقشے تغیرات کے ایسے جما دئے ۔ کانٹوں کو پل میں سنبل و سوسن بنا دیا

۱۰ - بلنی کلا

بچپن میں اپنے بل کے کرشمے دکھائے - کنس ایسے شاہ زور زمیں پر سلا دیئے
جمنا میں جا کے ناگ کو خادم بنا لیا - پربت اُٹھا کے گائیں گوالے بچا دیئے

۱۱ - باچنی کلا

بھگتوں کا خوب حقِ عبادت ادا کیا - وعدہ جو اُن سے کر لیا فوراً وفا کیا
جاری ہے فیضِ عام امیر و فقیر پر - مانگا جو پریم سے کسی نے وہ عطا کیا

۱۲ - شروَنی کلا

فریاد رس ہیں بے کس و مظلوم کیلئے - غم خوار و غم گسار ہیں مغموم کے لئے
ظالم کے واسطے ہیں مجسم اجل یہ بھوا انصاف بن کے آتے ہیں معصوم کے لئے

۱۳ - جل ترنگنی کلا

جمنا کو پائے پاک سے پایاب کر دیا - پورا یوں واسدیو جی کا خواب کر دیا
گوکل میں جا کے نند لشودھا کے گھر بسے - کشتہ اہل کو ان کی سیراب کر دیا

۱۴ - انومانی کلا

پوشیدہ کوئی بات نہیں مندلال سے - واقف ہیں آپ دہر کے ماضی و حال سے
جو پیش آئے گا ابھی اُن کی نظر میں ہے - آزاد کوئی شے نہیں قدرت کے جال سے

۱۵ ۔ ست سنکلپنی کلا

ممکن نہیں جو بات اُسے ممکن بنا دیا ۔ پربت کو اُنگلی پر اُٹھا کر دکھا دیا
مشکل ترین امور بھی آسان کر دئے ۔ گنتی میں سارتھیوں کو اچانک بڑھا دیا

۱۶ ۔ سوتنتری کلا

خلاقِ عرش و فرش کی قدرت تو دیکھئے ۔ دلکش تجلیات کی طلعت تو دیکھئے
وہ سب میں رہنے پر بھی ہے آزاد اے رتن ۔ یہ شعبدہ یہ شانِ کرامت تو دیکھئے

گیتا

ایشور کا کلام ہے گیتا — معرفت کا پیام ہے گیتا

فلسفے کا نظام ہے گیتا — زہد کا احترام ہے گیتا

کرم کا اہتمام ہے گیتا — یوگ کا انصرام ہے گیتا

زندگانی ہی زندگانی ہے — موت کا اختتام ہے گیتا

سینکڑوں کو نجات دی اس نے — سر بسر فیضِ عام ہے گیتا

خود حقیقت بھی مست ہے اس سے — مئے وحدت کا جام ہے گیتا

نام لینے سے پاپ کٹتے ہیں — کس قدر پاک نام ہے گیتا

اس نے رازِ بقا کیا ظاہر — اک حیاتِ دوام ہے گیتا

کھول رکھا ہے گنجِ روحانی — خیر خواہِ انام ہے گیتا

اس کا ہر لفظ حکمِ ربّی ہے ۔ کتنی عالی مقام ہے گیتا

سب کے دل میں ہے احترام اسکا ۔ مرجعِ خاص و عام ہے گیتا

طالبِ حق کی راہ نما ہے یہ ۔ سالکِ تیز گام ہے گیتا

ہادیِ رہ گزارِ عرفاں ہے ۔ بندگی کا اِمام ہے گیتا

آفرینش کی ابتدا کہیئے ۔ دہر کا اِختتام ہے گیتا

آشنا ہے رموزِ باطن سے ۔ رُوح سے ہم کلام ہے گیتا

شانِ رفعت بیان کیا ہو رتن

منزلِ حق کا بام ہے گیتا!

شِوراتری

ہر اک فضا پُر نور ہے ۔ ہر ذرّہ رشکِ طور ہے
فطرت بھی خود مخمور ہے ۔ دیکھو جسے مسرور ہے

پھر آگئی شِوراتری، پھر آگئی شِوراتری

جلووں کی یہ ارزانیاں ۔ یہ محفلِ عرفانیاں
یہ حسن کی عریانیاں ۔ سب اس کی ہیں قربانیاں

پھر آگئی شِوراتری، پھر آگئی شِوراتری

عالم کا یہ آغاز ہے ۔ قدرت کو اس پر ناز ہے
یہ سربسر اعجاز ہے ۔ یہ معرفت کا راز ہے

پھر آگئی شِوراتری، پھر آگئی شِوراتری

نگہہِ طلب مدہوش ہے ۔ جلووں سے ہم آغوش ہے
بھگتوں کا دل پُرجوش ہے ۔ ہر اک حقیقت کوش ہے
پھر آ گئی شورِ اتریِ ۔ پھر آ گئی شورِ اتری

ہے اس کی یہ شانِ علا ۔ مدحت سرا ہیں دیوتا
ویدوں نے کبھی یہ کہہ دیا ۔ ہے ذاتِ حق کی یہ رضا
پھر آ گئی شورِ اتریِ ۔ پھر آ گئی شورِ اتریِ

ظاہر ہوا نورِ ازل ۔ وحدت ہوئی محوِ عمل
خلقِ خدائے بے بدل ۔ ہستی میں آئی بے خلل
پھر آ گئی شورِ اتریِ ۔ پھر آ گئی شورِ اتریِ

دیکھو شوالوں کی پھبن ۔ ہے ذرے میں ہے ہر شے دُلہن
غرقِ فنائیت ہے نغمہ زن ۔ ایسے میں کہہ تو بھی رتن
پھر آ گئی شورِ اتریِ ۔ پھر آ گئی شورِ اتریِ

شری بھگوان پرشرام!

سلام تم پرشرام! اے شری بھگوان پرشرام! آگے ہے عقل کی حدوں سے آپ کا مقام

یہ دبدبہ یہ رعب یہ صولت یہ احتشام زیر نگیں تھا یہ تو دنیا تھی زیر دام

ظلم و ستم کو آپ نے جڑ سے مٹا دیا

فرعونیت کو موت کا رستہ دکھا دیا

اک سمت بے نظیر ریاضت تھی آپ کی اک سمت بے مثال لیاقت تھی آپ کی

ہر دل میں جلوہ ریز کرامت تھی آپ کی مشہور دہر کار شجاعت تھی آپ کی

جس وقت کارزار میں پرسا چمک اٹھا

فرط خوشی سے موت کا چہرہ دمک اٹھا

ہمراہ کوئی فوج نہ حال و منال تھا تیر و تبر کے ساتھ خدائی جلال تھا

ہم سایہ فتح و نصرت و ہیبت کا حال تھا سب سرکشان دہر کا سر پائمال تھا

صبر و غنا کا آپ نے سکہ جما دیا

جیتا جو ملک و مال وہ واپس عطا کیا

تھی ذاتِ پاک آپ کی شانِ نشانِ قوم — دلکش بنائی آپ ﷺ نے داستانِ قوم
بن کر ازل سے آئے تھے روحِ روانِ قوم — ہر ہر نفس تھا آپ کا تسکینِ جانِ قوم

افسوس آج قوم کی اُفتاد دیکھئے
فریاد خود ہے مائلِ فریاد دیکھئے

وہ شان وہ وقار وہ شوکت نہیں رہی — وہ احترام و عزت و حشمت نہیں رہی
وہ نور وہ جلال وہ طلعت نہیں رہی — حسنِ عمل مٹا ہے عبادت نہیں رہی

افسانہ بن کے رہ گئی ہیں فتح مندیاں
مٹی میں سر کے بل گری ہیں سربلندیاں

تفریق و بغض و کینہ و عداوت ہے قوم میں — نفرت حسد فتور کدورت ہے قوم میں
عسرت ہے بے زری ہے ہلاکت ہے قوم میں — بیکاری و تساہل و غفلت ہے قوم میں

یہ التجا رسول ﷺ کی ہے ایسے میں آئیے
اپنی عزیز قوم کی بگڑی بنائیے

شری گورو نانک دیو جی مہاراج

انوارِ حقیقت کی ضیا تھے نانک
دُنیائے طریقت کی بنا تھے نانک
نانک جی کو انسان سمجھنے والو!
انسان کی صورت میں خدا تھے نانک

پیاسے کیلئے آبِ بقا تھے نانک
سالک کیلئے راہ نما تھے نانک!
دُنیا کو دیا آ کے حقیقت کا سبق
عارف کیلئے نورِ ہدیٰ تھے نانک

درویش بھی تھے شاہِ شہاں تھے نانک
اسرارِ حقیقت کا نشاں تھے نانک
سرشار کیا سب کو مئے عرفاں سے
سچ یہ ہے کہ اک پیرِ مغاں تھے نانک

کمزور کا ایمان و امان تھے نانک
ایثار و مروّت کا جہاں تھے نانک
سرکش کیلئے نازیِ کامل تھے رتن
آسائشِ عالم کا بیاں تھے نانک

پیغام ہمہ حُسنِ ازل تھے نانک
سر آمدِ اربابِ عمل تھے نانک
تھی پیشِ نظر حُسنِ محبت کی تجلی
دُنیا میں موُدّت کا محل تھے نانک

توحید کی تصویر حسیں تھے نانک
فردوسِ اخوت کے مکیں تھے نانک
گو فرشِ زمیں پر تھا بسیرا اُن کا
رفعت میں مگر عرش بریں تھے نانک

سر آمدِ خاصانِ خُدا تھے نانک
دانندۂ رازِ خدا تھے نانک
قربان تھی قدرت کی تجلی اُن پر
انسان تھے مگر شانِ خُدا تھے نانک

شری گورو
گوبند سنگھ جی مہاراج

ہنیش گورو۔ یوگیش گورو۔ بل دھیش گورو۔ کرمیش گورو
شہزور۔ مہا بلوان۔ جری۔ سلطان۔ غنی۔ درویش گورو
سرمست سخی۔ پُرنور ولی۔ شستر کے دھنی۔ راکیش گورو
وہ کھیل کیے سلجھنی کہ کہو۔ بچپن ہی میں تھے۔ راجیش گورو

بھارت میں دھرم اوتار ہوئے۔ دشمیش پتا۔ دشمیش گورو
سب سیس جھکا کر من سے کہو آدیش پتا۔ آدیش گورو

جب ہند میں نازل قہر ہُوا جب ظلم کی ظلمت پھیل گئی!
جب کرم کی عظمت ختم ہوئی جب کفر کی لعنت پھیل گئی!!
جب جور و ستم کی چھائی گھٹا جب پاپ کا بدعت پھیل گئی
جب مہر و کرم نابود ہوئے سینوں میں کدورت پھیل گئی

بھارت میں دھرم اوتار ہوئے۔ دشمیش پتا۔ دشمیش گورو
سب سیس جھکا کر من سے کہو آدیش پتا۔ آدیش گورو

اپنے ہی پتا کے خون سے پہلے سینچ دیا گلزارِ وطن

بیٹوں کو وطن پہ وار گیا ہمدردِ وطن غم خوارِ وطن!

جیون تھا دھرم سیوا کے لئے تصویرِ وفا سردارِ وطن

وہ قوم میں آ کر جوش بھرا پیدا ایک بیٹا سالارِ وطن

بھارت میں دھرم اوتار ہوئے دشمیش پتا دشمیش گورو!

سب سیس جھکا کر من سے کہو آدیش پتا آدیش گورو

سرباز گورو شمشیر بکف جس حال میں مائلِ جنگ ہوا!

پربت کا کلیجہ پھٹنے لگا یم راج بھی دیکھ کے دنگ ہوا!

جس سمت اٹھی نیلے کی عناں ہر ڈھنگ وہیں بے ڈھنگ ہوا

اُس شیرِ ژیاں کا دستِ سناں جس پر بھی پڑا چو رنگ ہوا

بھارت میں دھرم اوتار ہوئے دشمیش پتا دشمیش گورو

سب سیس جھکا کر من سے کہو آدیش پتا آدیش گورو

جاں باز کی جب للکار اٹھی دشمن کو وہیں حیران کیا
وہ حب وطن کا جوش بھرا کہ نذر کو بھی بلوان کیا
فریاد رسی کے جذبہ سے دھن مال بدن قربان کیا
خود کشتہ ہوا مظلوموں کی مشکل کو مگر آسان کیا

بھارت میں دھرم اوتار ہوئے دشمیش پتا دشمیش گورو
سب سیس جھکا کر من سے کہو آدیش پتا آدیش گورو

سردارِ دلاں سالارِ جہاں سرتاجِ شہاں گوبند گورو
محبوبِ خدا مرغوبِ خدا ہے کس کی اماں گوبند گورو
وہ مہر بھی تھے وہ قہر بھی تھے اعجاز بیاں گوبند گورو
تھے شاہِ سخن سلطانِ قلم صد فخر زماں گوبند گورو

بھارت میں دھرم اوتار ہوئے دشمیش پتا دشمیش گورو
سب سیس جھکا کر من سے کہو آدیش پتا آدیش گورو

سیدنا حضرت علی رضؓ کرم اللہ وجہہ

گھر گئے جنگِ اُحد میں سرورِ عالی تبار
پے بہ پے ہونے لگے دشمن کی تلواروں کے وار
کر گئے کارِ نمایاں حیدرؓ خیبر گزار!!
غیب سے اُس وقت آئی یہ صدائے کردگار
لَافَتیٰ اِلَّا عَلیؓ لَاسَیفَ اِلَّا ذُوالفَقَار

جو بہادر جنگِ خیبر میں علم بردار تھے!!
اُن میں سب سے پیش رو اک حضرتِ کرارؓ تھے
فتح پاتے کیوں نہ جب وہ محرمِ اسرار تھے
سرورِ عالم ؐ ہمارا یوں مائلِ گفتار تھے
لَافَتیٰ اِلَّا عَلیؓ لَاسَیفَ اِلَّا ذُوالفَقَار

جنگ جب صفین کی حضرت علیؓ سے چھڑ گئی
ہو گئی دشمن کی اُس میں ساری شیخی کرکری
ایسے میں دشمن کو بھی یہ بات کہنی ہی پڑی
سامنا کر سکے علیؓ کا بچ نہیں سکتا کوئی
لَا فَتیٰ اِلَّا عَلیؓ لَا سَیف اِلَّا ذوالفقار

چھیڑ دی جب خارجی لوگوں نے جنگ نہروان
بن کے نکلی حیدری تلوار بھی برقِ تپاں
اُٹھ رہی تھی ذرّے ذرّے سے صدائے الاماں
خارجی بھی کہہ اُٹھے اُس وقت ہو کر یک زباں
لَا فَتیٰ اِلَّا عَلیؓ لَا سَیف اِلَّا ذوالفقار

شہر پر حملہ بھی ہے اُس وقت کا کارِ عظیم
جس نے ظاہر کر دیا اسلام کا عزمِ صمیم
نعرۂ تکبیر سے لرزا گئی فوجِ غنیم !!
کہہ اُٹھا اُس غزوۂ اعظم میں ہر مردِ فہیم
لَا فَتیٰ اِلَّا عَلیؓ لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفقار

اہلِ صُفّہ میں تھی ہستی آپ کی بالا نشیں
آپ پر تین آیتیں اللہ نے قرباں کیں
اور پھر گیارہ حدیثیں سرورِ عالم نے دیں
اس صدائے غیب نے بخشی بلندی بالیقیں
لَا فَتیٰ اِلَّا عَلیؓ لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفقار

سلام

آ کے زیرِ پا یہ سر کا آلِ نبی کا پانی - آج تک نکلا ہے اسی شرم سے دریا پانی

ننھے اصغرؓ نے جو بڑھتے ہوئے مانگا پانی - تیرِ بدخواہ نے کوثر کا پلایا پانی

موج بن بن کے اٹھا پڑتا ہے کیا کیا پانی - شاہِ کونینؓ کے دیدار کا پیاسا پانی

مالکِ کوثر و تسنیمؓ ہیں پیاسے مولا - اپنی درگاہ سے ایسے میں تو برسا پانی

رنگ آمیزیٔ میدانِ شہادت واللہ - خون تو سر پہ چڑھا اور نہ برسا پانی

مشک بھرنے پہ جو افواج نے گھیرا ڈالا - تیغِ عباسؓ نے اعدا کو پلایا پانی

پیاس سے ماہیٔ بے آب بہتر جانیں - اے خدا تو نے بھی قسمت میں نہ لکھا پانی

شمرِ سفاک نے سجدے میں چلایا خنجر - حشر میں آپ ہی رو رو کے بھرے گا پانی

شاہ کی تشنہ لبی اور شہادت تو بہ - کثرتِ غم سے ہے پانی کا کلیجا پانی

دل میں عابدؓ کے یہ حسرت ہی رہی آخر تک - کاش میں دیکھتا اعدا میں ہے کتنا پانی

تیغِ قاسمؓ نے بھی کیا خوب دکھائے جوہر - برق وش جس پہ گری اس نے نہ مانگا پانی

ہائے میدانِ دغا قہر و جفا دشتِ بلا۔ اور پھر اس پہ ستم یہ کہ ہے عنقا پانی

جنگ میں کود پڑا حضرتِ علی اکبرؓ۔ جامِ تسنیم پیا اور نہ پایا پانی

جا کے دریا پہ بھی عباسؓ یہ فرماتے ہیں۔ تشنہ لب سب ہیں تو میں بھی نہ پیوں گا پانی

تشنگی شرط تھی فرمانِ شہادت میں رتنؔ

ورنہ خود خدمتِ شبیرؓ میں آتا پانی

پرم سنت شری روی داس جی مہاراج

جو کل رات سویا میں دن بھر کا ہارا - عجب خواب میں ایک دیکھا نظارا
اُترنے لگا ہے فلک سے غبارا - اُسے چلد پر یوں نے نیچے اُتارا
غبارے کو دیکھا تو مَیں یُوں پکارا
روی داس پیارا - روی داس پیارا

وہ بھگتوں کا سرتاج شانِ حقیقت - وہ مطلعِ انوار - جانِ حقیقت
وہ مرتاضِ کامل - زبانِ حقیقت - وہ نبّاضِ عرفاں - بیانِ حقیقت
وہ چرخِ عبادت کا روشن ستارا
روی داس پیارا - روی داس پیارا

وہ سرمستِ مولا وہ سرشارِ وحدت - شناسائے منزل پرستارِ وحدت
نہاں اُس کے دل میں تھے اسرارِ وحدت - عیاں اُسکی آنکھوں سے انوارِ وحدت
کیا حسنِ مستور کو آشکارا
روی داس پیارا روی داس پیارا

سبق اُس نے یکسانیت کا سکھایا ۔ بڑے اور اونچے کا قصہ بھلایا
برہمن کا شودر کا جھگڑا مٹایا ۔ گناہوں سے بچنے کا رستہ بتایا

وہ دریائے جوش وفا کا کنارا
روی داس پیارا ۔ روی داس پیارا

نہ دولت کی خواہش نہ زر کی تمنا ۔ نہ راحت کا ارمان نہ گھر کی تمنا
فقط اک تھی مادھو کے در کی تمنا ۔ مٹی اُس کے دل سے ثمر کی تمنا

وہ نازِ ریاضت رگھو کا دُلارا
روی داس پیارا ۔ روی داس پیارا

جنگل میں ہری جی کی صورت دکھائی ۔ کٹھولی کے اندر ہی گنگا بہائی
کٹھولی میں کنگن کی جوڑی بنائی ۔ شری سیٹھ جی کو ندامت دلائی

مہارانی جے پور نے دیکھا نظارا
روی داس پیارا روی داس پیارا

جو بازار میں جا کے جوتوں کو بیچا ۔ تو اک بھوکے سادھو نے کھانے کو مانگا
جو نقد تھا جیب میں اُس کے ہاتھوں پہ رکھا ۔ کیا آپ نے اس طرح سودا سچا

وہ پارس کا پتھر نظر سے اُتارا
روی داس پیارا روی داس پیارا

برہمن ہے کوئی نہ شودر ہے کوئی ۔ نہ برتر ہے کوئی نہ کمتر ہے کوئی
نہ پتھر ہے کوئی نہ گوہر ہے کوئی ۔ نہ زردار کوئی نہ بے زر ہے کوئی

یہ سارا جگت ہے پربھو کا پسارا
روی داس پیارا ۔ روی داس پیارا

فقیروں کی دُنیا

فقیروں کی دُنیا قناعت کی دُنیا - عبادت۔ اطاعت۔ ریاضت کی دُنیا
طریقت، شریعت، حقیقت کی دُنیا - نجابت، شرافت، دیانت کی دُنیا
محبت، مُروت۔ مودّت کی دُنیا - عقیدت۔ ارادت، صداقت کی دُنیا
توکّل، تشکّر، نجابت کی دُنیا - تحمّل۔ تواضع، مشقت کی دُنیا
تجاہُد، تہوّر، شہادت کی دُنیا - تعانُق۔ تعاوُن۔ اعانت کی دُنیا
تورّع، تطہّر، طہارت کی دُنیا - تقدّس۔ تذکُّر، فضیلت کی دُنیا
تدبّر، تفکّر، جسارت کی دُنیا - تلطّف۔ تدارُک۔ کرامت کی دُنیا

فقیری نے انساں کو انساں بنایا
فقیری نے رستہ خُدا کا دکھایا

برہمن کی دُنیا

برہمن کی دُنیا ۔ ہلاکت کی دُنیا ۔ ضلالت ۔ جہالت ۔ رذالت کی دُنیا

مصیبت ۔ شقاوت ۔ صعوبت کی دُنیا ۔ خشونت ۔ حقارت ۔ شماتت کی دُنیا

دلوں میں تکبّر ۔ نگاہوں میں نفرت ۔ غضب ہے یہ بغض و عداوت کی دُنیا

نہ جذباتِ غیرت نہ جوشِ حمیّت ۔ اُجڑ جائے یارب ندامت کی دُنیا!

رعونت کے پردے میں عسرت کے چرچے ۔ ستم ہے یہ ادبار و نکبت کی دُنیا

جو یہ مضطرب ہے تو وہ شادماں ہے ۔ عجب ہے کسی بے مروّت کی دُنیا

فراغت کا ماتم مسرّت کا ماتم
یہ ہر وقت کرتا ہے عشرت کا ماتم

زمانے میں یہ بھی کبھی حکمراں تھا ۔ کبھی اِس کا پرچم فریدوں نشاں تھا

کبھی اِس کے دربان جمشید سے تھے ۔ کبھی اِس کا محکوم نوشیرواں تھا

کبھی اہلِ عالم پجاری تھے اِس کے ۔ کبھی قبلہ گاہِ جہاں آستاں تھا

کبھی اِس کو تھا نازِ تختِ رسا پر ۔ کبھی یہ زمیں تھی نہ یہ آسماں تھا

کبھی جاہ و حشمت تھے خدام اِس کے ۔ کبھی بحر و بر پر بھی سکہ رواں تھا

کبھی اِس کا ہر نقش تھا بام منزل ۔ وہ زندگی میں سرِ کاروان تھا

دکھائے اِسی نے حقیقت کے جلوے

تصوف کے انوار وحدت کے جلوے

مگر آج دنیا میں ناچار ہے یہ ۔ ستم کش ۔ بلا گیر ۔ نادار ہے یہ

پُر آشوب ۔ غم دوست ۔ آلام پرور ۔ تحسّر نواز و دلِ افگار ہے یہ

مصائب کا مرجع ۔ حوادث کا مرکز ۔ شدائد کا بس ناز بردار ہے یہ

تعصب میں لائق ۔ تنفّر کا خالق ۔ مضرّت رسانی میں ہشیار ہے یہ

کیا پستیوں نے اسے ننگِ ہستی ۔ اجل کے لئے باعثِ عار ہے یہ

غضب ہے کہ تختِ فضائل کا وارث ۔ رذائل کا سچا پرستار ہے یہ

اگر اس نے چھوڑا نہ خوابِ گراں کو

جہاں سے مٹائے گا نام و نشاں کو

اخلاق کی منڈی

شباب حسن بکتا ہے دل پامال بکتا ہے ۔ بلا پابندیِ اوقات سادا سال بکتا ہے ۔
کھلی اخلاق کی منڈی ریا کا جال بکتا ہے ۔ بڑا خوش ہو کے ہر خوش حال ہر کنگال بکتا ہے
خریدارو ادھر آؤ یہاں ہر مال بکتا ہے

حیا پردا ۔ ادا غمزہ کرشمہ ناز بکتا ہے ۔ جوانی خوب روئی دل بری کا راز بکتا ہے
حسینوں کے فریبِ ناز کا اعجاز بکتا ہے ۔ نگاہِ فتنہ ساماں کا ہر اک انداز بکتا ہے
خریدارو ادھر آؤ یہاں ہر مال بکتا ہے

عبادت زہد ۔ تقویٰ کی تجارت دیکھتے جاؤ ۔ تپسیا ۔ پاٹھ ۔ پوجا کی تجارت دیکھتے جاؤ
تہجد ۔ نامِ مولا کی تجارت دیکھتے جاؤ ۔ برت ۔ سبحہ ۔ زنار ۔ عقبیٰ کی تجارت دیکھتے جاؤ
خریدارو ادھر آؤ یہاں ہر مال بکتا ہے!

یہاں تہذیب کی تخریب کا سامان بکتا ہے ۔ سرِ بازار سستے مول ہر انسان بکتا ہے

گدائے بے نوا کے ساتھ ہی سلطان بکتا ہے ۔ برہمن کا دھرم مرتاض کا ایمان بکتا ہے

خریدارو ادھر آؤ یہاں ہر مال بکتا ہے

گرا ہے نرخ عزت کا نجابت کا شرافت کا ۔ کوئی پرساں نہیں بازار میں جنسِ حمیت کا

لٹایا جا رہا ہے مال عزت اور عصمت کا ۔ اٹھا جاتا ہے سودا بندگی بھگتی ریاضت کا

خریدارو ادھر آؤ یہاں ہر مال بکتا ہے

زمانے کی نرالی چال اے اہلِ نظر دیکھو ۔ اسیرِ دام تزویر و ریا ہے ہر بشر دیکھو

فضائے دہر کی بادِ مخالف کا اثر دیکھو ۔ تجارت بن گئی انسانیت خود سر بسر دیکھو

خریدارو ادھر آؤ یہاں ہر مال بکتا ہے

نئی منڈی میں بد اخلاقیوں کا بول بالا ہے ۔ سچائی تیرگی میں جھوٹ کے گھر میں اجالا ہے

رتن نے دیکھ کر یہ حال یوں پہلو نکالا ہے ۔ نہ گھبراؤ زمانہ بد سے بدتر آنے والا ہے ر

خریدارو ادھر آؤ یہاں ہر مال بکتا ہے

بسنت

آیا بسنت کیف کی دنیا لئے ہوئے ۔ لطف و نشاط و عیش کا چرچا لئے ہوئے
رنگینیٔ بہار کا جلوہ لئے ہوئے ۔ سر میں جنونِ عشق کا سودا لئے ہوئے

نغماتِ دل فریب زمانے پہ چھا گئے
دنیائے عقل و ہوش کو بے خود بنا گئے

بدلا ہے رنگ دہر نے کیا رات رات میں ۔ پھولوں کا فرش بچھ گیا ہے کائنات میں
آئی جھلک نکھار کی حسنِ حیات میں ۔ پیدا ہوئی نبات حسینوں کی بات میں

کیسا دکھایا معجزہ موجِ نسیم نے
ہر گل کو گنجِ زر دیا ربِّ کریم نے

پُر شوق دل کا جوشِ تمنا تو دیکھئے ۔ مے خانۂ حیات کا نقشا تو دیکھئے
ڈھلتے ہوئے عقیق کا جلوا تو دیکھئے ۔ جام و سبو میں شورشِ صہبا تو دیکھئے

یہ کیف یہ سرور یہ جوشِ بہار ہے
دیکھو چمن میں جس کلی کو مے گسار ہے

اہلِ جنوں کو پھر سے بلایا ہے دشت نے ۔ صحرا میں ایک شہر بسایا ہے دشت نے
ذوقِ خلش کا رانہ بتایا ہے دشت نے ۔ کانٹوں کو مثلِ باغ سجایا ہے دشت نے

ہر نقش پا ہے راحتِ منزل لئے ہوئے
ہے گرد باد جلوۂ محمل لئے ہوئے

گلزارِ کائنات میں جوشِ نمو ہے آج ۔ جس خار کو بھی دیکھئے وہ سبز رو ہے آج
خلد نگاہ جلوہ گہِ رنگ و بو ہے آج ۔ صد نازشِ بہارِ گلِ آرزو ہے آج

ہر گل نیا ہے خار نیا ۔ ہر چمن نیا!
پہنا ہے کوہ و دشت نے بھی پیرہن نیا

کتنی سرور خیز بسنتی بہار ہے ۔ ہر ذرہ رشکِ نافۂ مشکِ تتار ہے
سرسوں کے رنگ روپ کا طرفہ نکھار ہے ۔ رنگِ طلا بھی دیکھ کے خود شرمسار ہے

جب آسماں کو اڑ کے پتنگوں نے جا لیا
غیرت سے چرخِ پیر نے چہرہ چھپا لیا

کچھ عجب انداز سے آئی ہے پھر فصلِ بہار - سوئے گلشن کھینچ رہا ہے پھر دلِ نزہت شعار

پھر تجلی ہائے پنہاں ہیں نظر کے سامنے - برقِ سینا پھر فضائے شہر میں ہے جلوہ بار

پھر وہی رعنائیِ مستورِ دل افروز ہے - قطرہ قطرہ پھر نظر آتا ہے بحرِ بے کنار

پھر نگاہیں آشنا ہیں اِک فضائے نور سے - ذرہ ذرہ پھر نظر آتا ہے رودادِ بہار

پھر ہے معروفِ خرامِ نازِ مستانہ کوئی - پھر ہے اک عالم میں جوشِ کامرانی آشکار

پھر وہی صورت ہے جوشِ بے خودیِ شوق کی - اضطرابِ دل میں پنہاں ہے سکونِ خوش گوار

پھر نئے نغمات کے چرچے ہیں بزمِ شوق میں - پھر تڑپ اُٹھے ہیں جذباتِ دلِ اُلفت شعار

اِک فضائے شادمانی پھر ہے فردوسِ نظر - ذرہ ذرہ رازدارِ صنعتِ پروردگار!

پھر حدودِ ہوش سے آگے بڑھا جاتا ہے دل - پھر فضائے دہر پر چھایا ہے ابرِ کیف بار

حسن کی رنگینیاں آنکھوں میں لہرانے لگیں - جس طرف بھی دیکھیے ہے طور کا منظر نثار

بے حجابی کی اداؤں کا کوئی ہے منتظر ۔ نور کے پردے میں کوئی حُسن رہتا ہے پردہ دار

کیف کے دریا بہے جاتے ہیں پیالوں سے آج ۔ طالبِ جامِ صبوحی ہے زاہدِ شب زندہ دار

گُدگُداتی ہے حریمِ دل میں کوئی آرزو ۔ پھر نظارہ نے پھر بے تاب چشمِ انتظار

باغِ عالم میں نغمہ پرداز ہے پھر عندلیب ۔ پھر لبِ خاموش پر ہے اک تبسم آشکار

آج تو رُخ پھر بدلتی ہے زمانے کی ہوا! ۔ پھر نئے انداز پر جاری ہوئے لیل و نہار

پھر ہے محسوسات کی دُنیا میں پیدا انقلاب ۔ دشت و زنداں میں نہیں تفریق باقی زینہار

پھر تصوّر کی نگاہیں ہر طرف سے لُٹنے لگیں ۔ رنگ و بو پر ناگہاں ہونے لگا پھر دل نثار

پھر ہے دریائے تفکّر میں تموّج کا ظہور ۔ پھر لطیفِ ذہن میں ہے جوشِ انشا آشکار

پھر سخن کی وادیٔ دلکش میں پہنچی ہے نظر ۔ بن گئی ہے ہر صدائے دلنشیں اک نغمہ زار

پھر دلِ پُرشوق بحرِ فکر میں غوّاص ہے ۔ دیکھئے یہ ہے کہ ابھرا ایک دُرِّ شاہوار

اے خدا یہ فصلِ گُل دائم رہے قائم رہے
اِس گلستاں میں کبھی دورِ خزاں پائے نہ بار

اُردو زبان

اے مری اُردو زباں اے ترجمانِ زندگی ۔ تیری نقطوں میں ہے تو نشانِ زندگی

ہر قدم تیرا ہے شرحِ داستانِ زندگی ۔ درحقیقت تو ہے میرِ کاروانِ زندگی

رہنمائی راہِ ہستی کے لئے منزل ہے تو

عالمِ امکاں کی علمی محفلوں کا دل ہے تو

ہر زباں ۔ ہر قوم ہر اقلیم شیدائی تری ۔ بادشاہی بارگاہوں میں پذیرائی تری

چھا رہی ہے ایک عالم پر مسیحائی تری ۔ کافرشِ بزمِ جہاں ہے بزم آرائی تری

تو نے سیماب و فنی سے منطقی پیدا کئے

غالب و اقبال سے ایسے فلسفی پیدا کئے

میر ۔ سودا ۔ درد کی معجز بیانی تجھ سے ہے ۔ ناسخ و آتش کی یہ آتش بیانی تجھ سے ہے

دل سے امیرِ نکتہ داں کی نکتہ دانی تجھ سے ہے ۔ برق و چکبست و منیر کی روانی تجھ سے ہے

داغ کو تو نے زباں دانی میں لاثانی کیا

ذوق سے استاد کو بھارت کا خاقانی کیا

ہر وطن ہر انجمن میں آج ہے چرچا ترا ـ شان سے لہرا رہا ہے جرمنی میں جھنڈا ترا

ہر کوئی طالب ہے تیرا ہر کوئی شیدا ترا ـ ہر فضا میں جشن لالہ ہے جلوا ترا

دھوم تیرے نام کی یورپ کے ایوانوں میں ہے

تیرا ذکر خیر امریکی کتب خانوں میں ہے

تیرے ہر ہر لفظ سے ملتا ہے الفت کا سبق ـ تجھ سے اہل دل نے سیکھا ہے محبت کا سبق

ہر ادا تیری ہے ایثار و مروت کا سبق ـ سربسر ہے تو حقیقت میں حقیقت کا سبق

مذہب و ملت کی پابندی سے تو آزاد ہے

تیری دنیا ہر فضائے عالم ایجاد ہے

اتحاد باہمی کا درس ملا کیسے تجھے ! ـ محرم اسرار شاید نغمہ کہئے تجھے

حق تو یہ ہے حق لقا پیغام وفا کہئے تجھے ـ زندگی کی ابتدا انتہا کہئے تجھے

سب مذاہب کی کتابیں تیری مرہون کرم

ہر تمدن ہر ادب ہر فن ہے ممنون کرم

اک طرف شاہوں کے تاج و تخت کی زینت ہے تو ـ ایک جانب بے زروں کو باعث راحت ہے تو

سالکوں کے واسطے آئینۂ فطرت ہے تو ـ اہل اللہ کی نظر میں ہادیٔ وحدت ہے تو

آج ہر گوشۂ عالم میں ترا ہی راج ہے

دہر کی ساری زبانوں کے سروں کا تاج ہے

حضرت دِلؔ شاہ جہان پوری مرحوم

اے لسان العصر اے گلزارِ اسرارِ سخن ۔ تاجِ اقلیمِ سخن دنیائے معیارِ سخن

اے فروغِ بزمِ امکاں اے مسیحائے جہاں ۔ غوطہ زن بحرِ معانی صدر دربارِ سخن

اے نوا سنجِ حقیقت طوطیِ فکرِ متعال ۔ بلبلِ باغِ ادب روحِ گلزارِ سخن

اے فدائے جوشِ ملت آشنائے دردِ قوم تاجدارِ ملکِ معنی ابرِ دُربارِ سخن

تُو تھا کوئی جوہری نقدِ کمالِ شعر کا ! ۔ اللہ تیرے دم سے تھی گرمیِ بازارِ سخن

تُو تھا مانوسِ ادب تجھ سے ادب مانوس تھا ۔ تجھ پہ شیدا تھا سخن تُو تھا پرستارِ سخن

تھی تری ذاتِ گرامی حامیِ اُردو زباں ۔ تیرا ہر مصرعہ حقیقت میں تھا معیارِ سخن

بذلہ سنجانِ جہاں کرتے ہیں تیرا احترام ۔ اب ترا ہمسر کہاں اے بختِ بیدارِ سخن

بزمِ میناؔئی میں وجہِ رونقِ محفل تھا تُو
سینۂ ہندوستاں میں در حقیقت دل تھا تُو

شاخ سدرہ پر کبھی تو زمزمہ پرداز تھا ۔ یا کبھی اپنی صدا پہ گوش بر آواز تھا
تیرا ہر نغمہ حقیقت میں تھا سحرِ سامری ۔ تیری فکرِ دل نشیں کا اک نیا انداز تھا
قدر کرتے تھے تری اہلِ نظر سا ئل کمال ۔ ایک میں کیا سب کی نظروں میں ترا اعزاز تھا
کیوں نہ پھر روح القدس کا ہم زباں کہئیے تجھے ۔ تیری گویائی مری نظروں میں اک اعجاز تھا
تیرا ہر مصرع تھا تفسیر رموزِ بے خودی ۔ تیرا ہر شعرِ رواں دُنیائے سوز و ساز تھا
تھی حقیقت کی حد دل سے آشنا تیری نظر ۔ رازِ عرفاں و تصوف تجھ کو شرحِ راز تھا
یہ ترا حسنِ تغزل یہ ترا رنگِ بیاں ۔ میرؔ و غالبؔ کے لئے سرمایۂ صد ناز تھا
کیوں زمانے کی نظر میں تو نہ ہو فخرِ عجم ۔ تیری گویائی میں جوشِ حافظِ شیراز تھا

تشنہ کامانِ سخن کی آرزو کہئیے تجھے !
ہند میں اردو زباں کی آبرو کہئیے تجھے

تیرا اندازِ بیاں تھا ایک نقشِ دل نواز ۔ تیری گویائی سے دُنیائے سخن تھی سرفراز
کیوں نہ دل کش ہوں تری تخئیل کی رنگینیاں ۔ سادگی میں تو نے مضمر کر دیا سوز و گداز
گونجتی تھی تیرے نغموں سے فضائے کائنات ۔ دل نشیں دل آفریں تھی تیری آوازِ دل نواز
معرفت کو تو نے پہنایا لباسِ شعریت ۔ عابد و معبود کے ظاہر کئے راز و نیاز
نورِ عرفاں سے ترا دل مطلعِ انوار تھا ۔ تیری چشمِ رازداں تھی آشنائے بزمِ ناز
کیوں نہ کہئیے ہم تجھے جلوہ رنگیں تجھے ۔ ایک دُنیائے حقیقت تھا ترا رنگِ مجاز
دل وفائے عشق میں تھا وارِ ازدارِ بے خودی ۔ ہوش کی دُنیا سے تیرا ہر نفس تھا بے نیاز
انتہائے شوق سے خود کھنچ کے منزل آ گئی ۔ سامنے ہے میری نظروں کے ترا جوشِ نیاز

تیری ہستی تھی سراپا سوز و سازِ زندگی
در حقیقت تیری نظروں میں تھا رازِ زندگی

تشنہ کاموں کیلئے اک کیف روحانی تھا تو ۔ مصحفِ فطرت میں آیاتِ وجدانی تھا تو
تیرے ہر مصرع میں تھا اک عالمِ جوشِ بہار ۔ میری نظروں میں گلستانِ سخندانی تھا تو
ہر نفس سوز و گدازِ عشق کی تفسیر تھا ۔ واردات قلب کی روداد طولانی تھا تو
جلوۂ فطرت سے تھیں تیری نگاہیں آشنا ۔ ساری دنیا کے لئے پیغامِ روحانی تھا تو
روح پرور کیوں نہ ہوتا جلوۂ شعر و سخن ۔ اعتبار الملک تھا فلکِ زباں دانی تھا تو
معترف ہے اک زمانہ تیرے علم و فضل کا ۔ مختصر یہ ہے کہ دنیا کے ہمہ دانی تھا تو
سامنے ہے میری نظروں کے ترا شغلِ لطیف ۔ اے پرستارِ سخن محوِ سخن رانی تھا تو!
ساری دنیا سے جدا ہے تیرا اندازِ کلام ۔ در حقیقت رونقِ بزمِ سخن دانی تھا تو!

یہ روانی یہ فصاحت اور یہ اندازِ جوش!
کیوں نہ کہئے تیرے ہر نغمہ کو اک فردوسِ گوش

ایک دنیائے سکوں تھی نغمہ پیرائی تری ۔ موجِ کوثر تھی مری نظروں میں گویائی تری
جس طرف بھی دیکھئے اک کیف ہے چھایا ہوا ۔ ہے نگاہِ آرزو میں بزم آرائی تری!
یہ لطافت یہ فصاحت اور یہ طرزِ ادا ۔ ہو رہی تھی گوشہ گوشہ میں پذیرائی تری
دل تڑپ اٹھتا ہے اہلِ بزم کا ہر شعر پر ۔ کوئی دیکھے تو سہی ہنگامہ آرائی تری
آج تک نفسانیت کے خواب میں تھی شاعری ۔ معرفت میں کر گئی تبدیل انگڑائی تری
منتِ معنی رہے گی حشر تک اردو زباں ۔ رشکِ میر و غالب و مومن تھی گویائی تری
اعتبار الملک کہتے تھے تجھے اہلِ نظر ۔ کس قدر بزمِ سخن میں تھی پذیرائی تری
کیوں نہ کہئے نازشِ استاد فخرِ کائنات ۔ خلد میں مدحت سرا ہے روحِ مینائی تری

تیرا ہر نغمہ حقیقت میں ہے فطرت کا پیام
تو نے دنیا کو دیا آکر حقیقت کا پیام

بلبلِ سدرہ نشیں کا ہم زباں کہئے تجھے — کہئے دنیائے ادب کا آسماں کہئے تجھے
تو تھا دنیائے سخن میں آپ ہی اپنا جواب — کیوں نہ پھر سرکاملِ اہلِ زباں کہئے تجھے
یہ بلاغت اور یہ رنگیں بیانی کا اثر — کہئے دنیائے سخن میں کامراں کہئے تجھے
ایک دنیائے تصوف تھا ترا رنگِ سخن — رومیِ آتش بیاں کا ہم زباں کہئے تجھے
بادۂ عرفاں سے تھا لبریز پیمانہ ترا — کہئے کہئے قبلۂ روحانیاں کہئے تجھے
تجھ سا استادِ زمانہ پھر زمانے میں کہاں — کیوں نہ بزمِ شعر میں پیرِ مغاں کہئے تجھے
یہ تخیل یہ بلندی اور یہ فکرِ رسا — سرزمینِ شاعری کا آسماں کہئے تجھے
نظم میں بھی تو نے اندازِ تغزل بھر دیا — مختصر یہ ہے کہ میرِ کارداں کہئے تجھے

تیرے ہر مصرعہ میں جوشِ بادۂ سرجوش ہے
انتہائے کیف سے تیرا رتن بے ہوش ہے۔

اسکول کے لڑکے

ابلیس کی تصویریں اسکول کے لڑکے - بے دین ہیں بے پیر ہیں اسکول کے لڑکے
اشرار کی توقیریں اسکول کے لڑکے - بدخوئی کی تفسیریں اسکول کے لڑکے

یہ ننھے جراثیم ہیں پوشیدہ وبا کے
گو ہلکے سہی جھونکے ہیں زہریلی ہوا کے

کچھ دل میں مروّت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے - ہر طرزِ عمل قہر ہے طوفانِ بلا ہے
مجنوں کا جنوں ان میں ہے لیلیٰ کی ادا ہے - دیکھا جو حقیقت میں تو سب مکر و ریا ہے

دل کھول کے اخلاق کو بدنام کیا ہے
تب جا کے خطاؤں کو کہیں عام کیا ہے

رہتے ہیں یہ اُستاد کی تحقیر کے در پے ۔ جیسے کہ کماں دار ہو نخچیر کے در پے
دن رات فسادات کی تدبیر کے در پے ۔ بدگوئی کی، بہتان کی تشہیر کے در پے

ماں باپ کی عزت نہ بزرگوں کا ادب ہے
لے دے کے فقط مغربی فیشن کی طلب ہے

پوشاک کے ہر تار پہ لندن کا گماں ہے ۔ رنگینیٔ رخسار پہ گلشن کا گماں ہے !
ہر گیسوئے پُرپیچ پہ ناگن کا گماں ہے ۔ آنکھوں کو اگر دیکھیں تو رہزن کا گماں ہے

تہذیب کی تخریب کا پیغام یہی ہیں
آفات کے آغاز کا انجام یہی ہیں

اسکول میں آتے ہیں عروسانہ ادا سے ۔ غیرت سے تعلق نہ حمیت نہ حیا سے
بیباک ہیں مذہب سے تو منکر ہیں خدا سے ۔ حاصل ہو جزا یا کہ سزا ان کی بلا سے

عفت کی تباہی پہ کمربستہ کھڑے ہیں
عصمت کو مٹانے کیلئے پیچھے پڑے ہیں

رفتار میں انداز ملا کیبک دری کا ۔ آرائش و زینت پہ گماں کبر ایری کا
جیتوں کے تلوّن میں نشاں تاجوری کا ۔ نخوت پہ مگر شائبہ فرعون کسریٰ کا

دریائے معاصی میں ہیں یہ غرق سراسر
بدنیوں میں گرفتار نظر آتے ہیں اکثر

فاقوں کے کڑاکوں میں میڈم کی تمنّا ۔ مسٹر کی کبھی جھن کبھی ٹم ٹم کی تمنّا
ہوٹل میں ڈنر ہے انہیں ہر دم کی تمنّا ۔ رکھتے ہیں بزرگوں سے بھی ویلکم کی تمنّا

اخلاق کے اوچھے ہیں کمینے ہیں چلن کے
ہیں قوم کے بدخواہ تو دشمن ہیں وطن کے

افسوس ہے اسکول کی تعلیم پہ افسوس ۔ اطوار پہ اخلاق پہ تفہیم پہ افسوس
مشرق میں روشِ مغربی تنظیم پہ افسوس ۔ اُستاد ایں عزت و تکریم پہ افسوس

تہذیب کا جب تک کہ یہی حال رہے گا
یہ ہند جو پامال ہے پامال رہے گا

سناتن دھرمیوں سے خطاب

سناتن دھرمیو جاگو کہ بیداری کا وقت آیا ۔ تغافل چھوڑنے کا اور ہشیاری کا وقت آیا!
اُٹھو دینی فرائض کی گراں باری کا وقت آیا ۔ دھرم کے حق میں پھر سچی وفاداری کا وقت آیا

زمانہ جاگ اُٹھا تم بھی اب ہشیار ہو جاؤ
دھرم پرچار کی خاطر اُٹھو تیار ہو جاؤ

تمہاری سست گامی کا گلہ کرتی ہے منزل بھی ۔ تمہاری ناخدائی سے ہوا ہے غرق ساحل بھی
غضب ہے آپ ہی مقتول ہو تم آپ قاتل بھی ۔ حسد سے چیر بیٹھے سینہ بھی جگر بھی آنکھ بھی دل بھی

دھرم کا مرتبہ عرش بریں سے کم نہیں ہرگز
مگر یہ پھوٹ مارِ آستیں سے کم نہیں ہرگز

تمہیں اپنوں سے ہے بیگانگی غیروں سے اُلفت ہے ۔ دلوں میں بغض ہے کینہ ہے نفرت ہے عداوت ہے
مصیبت دیکھ کر بھائی کی بھائی کو مسرت ہے ۔ دھرم سے ہے عداوت بے رُخی بالوں سے رغبت ہے

بتاؤ ایسی صورت میں دھرم کا حال کیا ہوگا!
جو ندرِ صرصرِ بے جا ہو وہ راس المال کیا ہوگا

دھرم نیکوتریں کردار کا پیغام دیتا ہے ۔ دھرم ہمدردی و ایثار کا پیغام دیتا ہے
دھرم ہر آدمی سے پیار کا پیغام دیتا ہے ۔ دھرم انصاف کے پرچار کا پیغام دیتا ہے

دھرم تلقین کرتا ہے عبادت کی ریاضت کی
دھرم امید رکھتا ہے صداقت کی حقیقت کی

مگر تم نے کہاں تک ان اصولوں سے وفا کی ہے ۔ نہیں کی تو سمجھ رکھو دھرم سے بھی دغا کی ہے
قیامت کی ریا کی ہے جفا کی ہے خطا کی ہے ۔ دھرم کی سمت سے بے اعتنائی بھی بلا کی ہے

اٹھو دنیا پہ چھا جاؤ دھرم پرچار کی خاطر
بڑھو میدان میں اس مذہبی پیکار کی خاطر

ازل ہے ابتدا اس کی ابد ہے انتہا اس کی ۔ مکاں سے لامکاں تک نور افزا ہے ضیا اس کی
زبانِ حال سے تعریف کرتا ہے خدا اس کی ۔ پرانوں اور ویدوں نے بھی گائی ہے ثنا اس کی

تمہیں اپنے دھرم پر ناز کرنا عین واجب ہے
زمانے کو بھی ہم آواز کرنا عین واجب ہے

اگر واجب سمجھتے ہو گرم جوشی سیکھ لو پہلے ۔ دھرم کی رہ گزر میں سرفروشی سیکھ لو پہلے
فضیلت کے لیے عصمت بدوشی سیکھ لو پہلے ۔ حقیقت آشنائی صدق کوشی سیکھ لو پہلے

رتن تم مل کے سب ملت کے خدمتگار بن جاؤ
دھرم کے دشمنوں کے واسطے تلوار بن جاؤ

خونابۂ اشک

جو نظر آ رہی ہے قوم کی افتاد پر ۔ یاس کی بجلی گری ہے خاطرِ ناشاد پر

پھر گذشتہ عظمتوں کی یاد تڑپانے لگی ۔ حسرتِ دل اشکِ خوں آلود برسانے لگی

سا پھر نظر میں کارنامے پھر گئے اجداد کے ۔ پھر کھنچے جاتے ہیں نقشے ماضیِ برباد کے

پھر برہمنِ قوم کے منہ پر مجھے چڑھنا پڑا ۔ دیکھ کر افتادگی میدان میں بڑھنا پڑا

آج پھر بحرِ حمیت میں بپا طوفان ہے ۔ آج پھر کشتی سپردِ شورش و ہیجان ہے

ہم صفیرو آؤ میری ہم نوائی کے لئے ۔ قوم سے میرا تخاطب ہے بھلائی کے لیے

یاد ہیں وہ دن کہ جب ہم برسرِ اقبال تھے ۔ راحت و تمکین کی دولت سے مالا مال تھے

ناز سے عرشِ بریں پر بھی نظر اٹھتی نہ تھی ... گردنِ تمکینِ شہ اقلیم سے جھکتی نہ تھی!

جنت الماویٰ ہمارے واسطے ناچیز تھی ۔ اُس طرف شاہوں کے سر تھے اس طرف دہلیز تھی

مہر و ماہ کیا تھے فقط اک نقشِ پائے آرزو ۔ جلوہ گاہِ شانِ مطلق تھی فضائے آرزو

تھی ہماری خاکِ پا توقیرِ شاہانِ زمن ۔ ہر نگاہ مطمئن تسخیرِ شاہانِ زمن

ایک عالم کو ہماری خرمی منظور تھی ۔ خلد کی عشرت ہمارے ہاتھ میں محصور تھی

سایہ گستر آسماں پر پرچمِ پُر پیچ تھا ۔ تختِ ہفت اقلیم نظروں میں ہماری ہیچ ہے

اُف ہماری بے نیازی کس قدر بے باک تھی ۔ دولتِ آفاق ہم کو صورتِ خاشاک تھی

زورِ بازو سے دھرم کی ناخدائی ہم نے کی ۔ طالبانِ نورِ حق کی رہنمائی ہم نے کی

ہم نے عریاں کر دیا رعنائیِ مستور کو ۔ روزِ روشن میں بدل ڈالا شبِ دیجور کو

ہم نے دریا علم و حکمت کے بہائے ہر طرف ۔ دہر میں تہذیب کے جلوے دکھائے ہر طرف

یک بل سے منکشف اسرارِ قدرت کر دیئے ۔ سالکانِ حق بغل گیرِ حقیقت کر دیئے

ہم نے گوشِ دہر میں پھونکا تھا ناقوسِ دہر کر — ذرہ ذرہ تھا ہمارے دم سے ناقوسِ دھرم
ہم نے گوتم، پانینی، پاتنجلی پیدا کئے — وشوامتر، ویاس، کشیپ، اتری پیدا کئے
مارکنڈے، سوت، سنک، نارد، پراشر ہم سے تھے — کپل، درباسا، شرنگی اور شنکر ہم سے تھے!
چندرگپت، اشوک، پوشمتر قومی لال تھے — جو فنا کی دولتِ جاوید سے خوشحال تھے
ہم نے گلزارِ ریاضت کو بہار آگیں کیا — ذرہ ذرہ، پتی پتی، کو حریمِ دیں کیا
اہلِ عالم کے لئے ہم مایۂ صد ناز تھے — ہر عمل کے پیشوا ہر کام کا آغاز تھے
ذوقِ عرفان و تصوف کی جہاں میں دھوم تھی — دولتِ روحانیت اپنے لئے مقسوم تھی
ہائے یہ سب تمکنت، وہ دادِ نخوت بن گئی — عشرتِ ناکام آخر وجہِ ذلت بن گئی!
چھوڑ کر یہ رستیاں ہم وقفِ بدمستی ہوئے — محسنانِ ارتقا گم گشتۂ پستی ہوئے
اس طرح بیٹھی ہمارے اوج کی گردِ نمود — بن کے ذراتِ پریشاں رہ گیا قومی وجود
عیش میں ذوقِ ریاضت ایک تلم جاتا رہا — وائے راس المال عظمت بیش کم جاتا رہا
چھن گئی سب سروری، رعبِ سیاست چھن گیا — چھن گیا لطفِ مقدر جوشِ فطرت چھن گیا
ننگِ تختہ بن گئے تختِ خلافت کے عوض — ہیں صد تحقیر و نفرت ہیں وجاہت کے عوض
قوم کی ہستی لبِ نقشِ پا مٹنے کو ہے — رہنما گم ہے نشانِ رہنما مٹنے کو ہے!
سہلِ انگاری تن آسانی گلے کا ہار ہیں — زندگی میں زندگی کے ہاتھ سے بیزار ہیں
آج ہم سے کپل اتساد کرسا چھن گیا — پرمس کا جوشِ حمیت اور پرسا چھن گیا۔
اب کہاں ہے بھوج، ناچ، وشونک، کپل، اگستا — جلوۂ مستور میں رہتے تھے جو مست الست
گو کنادو جیمنی کا فلسفہ موجود ہے — ہاں مگر ان کے لئے ذہنِ رسا مفقود ہے
کارنامے چرک اور سشرت کے ہم کو یاد ہیں — پھر بھی اس طرزِ عمل سے آج ہم آزاد ہیں
یاد ہے اب تک وششٹ و گرگ کی عظمت ہمیں — بالمیک و ویدن کی حیرت فزا صولت ہمیں
قوم کی ہمدردی و الفت سے ہم آزاد ہیں — اصل میں ہم آج ننگِ ملتِ اجداد ہیں

اب ہمارے دل میں جوشِ قومیت اصلا نہیں ۔ مطلقاً اسلاف کے احکام کی پروا نہیں !

باہمی بغض و حسد کی فتنہ سامانی دیکھئے ۔ بھائیوں سے بھائیوں کی خوں افشانی دیکھئے

انتہائی تفرقہ ہے قوم کے افراد میں ۔ کٹ رہا ہے زندگی تکرار میں افراد میں

اُٹھ رہے ہیں حسرت و حرماں کے طوفاں ہر طرف ۔ دیکھتا ہوں قوم کے مٹنے کے ساماں ہر طرف

اُس طرف کوئی دلارا بھوک سے بیتاب ہے ۔ اِس طرف قسمت کا مارا ماہیٔ بے آب ہے

قوم کی ہستی سراسر ننگِ ہستی ہو گئی ! ۔ بلکہ یوں کہیئے غریقِ چاہِ پستی ہو گئی

سوچئے تو اب کہاں ہے وہ فصاحت کا کمال ۔ بن گیا ہے ایک افسانہ لیاقت کا کمال

اب وہ تہذیب و تمدن کی فضا جاتی رہی ۔ فی الحقیقت آج وہ قومی حیا جاتی رہی

کس قدر ہیں بینوا محتاج کچھ معلوم ہے ۔ قوم کی ہستی سراسر ہستیٔ موہوم ہے !

کس قدر قومی جواہر خاکِ پستی کھا گئی ۔ کس قدر پُر مغز کو فاقہ مستی کھا گئی

کس قدر آوارۂ دشتِ ضلالت ہو گئے ۔ قوم کے اغماض سے نذرِ ہلاکت ہو گئے

کس قدر شامت کے مارے مائلِ فریاد ہیں ۔ کس قدر آماج گاہِ جور و استبداد ہیں

بھائیو وہ آپ کا جوشِ حمیت کیا ہوا ۔ کیا ہوا پاسِ وفا احساسِ غیرت کیا ہوا

کس لئے بیٹھے ہوئے یوں مایوس ہمت ہار کر ۔ مرد ہو اُٹھو بڑھو، چھوڑ دو یہ منزل مار کر

پھر تو دل سے دھرم پر جان و دل شیدا کرو ۔ قوم کی وہ شانِ ماضی قوم میں پیدا کرو

پھر ہماری کوشش ہو کامیابِ مدعا ۔ ہو ہمارے ہر عمل سے اکتسابِ مدعا

پھر ہمارا ہر قدم اک منزلِ مقصود ہو ۔ نکبت و ادبار کا نام و نشاں مفقود ہو

بے کسوں پر پھر ہو جذباتِ مروت کا ظہور ۔ ہو دلِ پُر شوق میں قومی عقیدت کا ظہور

نوجوانو جوش دو ان کے دلی جذبات کو ۔ تھام لو آلام کو افکار کو آفات کو

وقتِ بیداری ہے جاگو خوابِ غفلت چھوڑ دو ۔ اُٹھ کے زنجیرِ ضلالت توڑ دو ہاں توڑ دو

فقط کہتا نہیں میں شعر ان مصراعِ گیسو پر
رُباعی اک نئی ہوتی ہے موزوں چار اَبرو پہ

امیر مینائی

رُباعیاتِ اُردو

وہ کون ہے جو مائل فریاد نہیں!
بے زر ہے کہ زردار کوئی شاد نہیں
کونین کا جب بوجھ ہے تیرے سر پر
افکار سے یارب تو بھی آزاد نہیں

زردار کوئی اور ہے بے زر کوئی
پردار کوئی اور ہے بے پر کوئی
تقسیم میں تفریق ہے ظاہر یارب!
پھر سمجھے ترے عدل کو کیوں کر کوئی

دشمن کی عداوت کو محبت سمجھو
ہر ظلم کو ہر جور کو راحت سمجھو
قدرت کی نگاہوں میں ہے صدق و باطل
اس رازِ حقیقت کو حقیقت سمجھو

دیکھو تو مرے شوق کی آبلہ پائی
ہر راہ میں ہر گام پہ ٹھوکر کھائی
اے قسمتِ بد تیری وفا کے صدقے
دنیا میں مرے آنے سے پہلے آئی

دُشوار ہے دشوار عدم کا رستا
پُر خار ہے پر خار عدم کا رستا
ہوشیار رہو عدم کو جانے والو
تلوار کی ہے دھار عدم کا رستا

مطعون ہے کیوں آج علالت میری
کیا ساتھ نہ جائے گی ریاضت میری
بے دین جو کہتے ہیں وہ کہتے جائیں
ہے موجب آرام عبادت میری

کونین کی دولت ہے اشارا تیرا
ہر لمحہ میں ہر کھیل نیارا تیرا
میں کس سے کہوں اپنی کہانی یارب
لے دے کے ہے دُنیا میں سہارا تیرا

ہر ذرے کو خورشیدِ منوّر سمجھو
ہر قطرۂ ناچیز کو ساگر سمجھو
قسمت کی حقیقت جو سمجھنی ہو رتن
اعمالِ گذشتہ کو مقدر سمجھو

ذرّے پہ نظر ڈالی تو صحرا پایا!
قطرے میں نہاں جلوۂ دریا پایا
ہر جزو میں ہے کُل کی تجلّی مستور
بندے کی جو کی کھوج تو مولا پایا

رہ سکتا ہے کیا خاک قیام ہستی
ہے موت کے ہاتھوں میں زمام ہستی
جیتے جی جو ہستی کو مٹا دیتا ہے
پاتا ہے وہی شخص مقام ہستی

یہ شکوۂ تقدیر کی عادت کیسی
بے سُود شکایت سے محبت کیسی
جب اپنے ہی اعمال میں کوتاہی ہے
ایسے میں مقدر کی شکایت کیسی

جو شومیٔ قسمت کا گلہ کرتے ہیں!
بزدل ہیں تکالیف سے وہ ڈرتے ہیں
ہیں زندۂ جاوید وہی لوگ رتن
جو اصل میں جینے کے لئے مرتے ہیں

دُنیا کی نگاہوں میں سماتے جاؤ
یوں جذبۂ محبت کا دکھاتے جاؤ
ایثار و مروّت کا تقاضا ہے رتن
خود ڈوب کے ساحل کو بچاتے جاؤ

جو ڈوب گئے اُن سے ابھرنا سیکھو
طوفان میں کشتی سے اُترنا سیکھو
کہتا ہے رتن بات پتے کی تم سے
جینے کی تمنا ہے تو مرنا سیکھو

آفت ہے مصیبت ہے بلا ہے دُنیا
فرمان ہے یا قہر خدا ہے دُنیا
سوچا بھی کبھی تم نے یہ دُنیا والو
اپنے ہی گناہوں کی سزا ہے دُنیا

خاطی کی خطاؤں پہ کرم کر یارب
رحمت کی دعاؤں پہ کرم کر یارب
بے دے کے رتن کو ہے سہارا تیرا
تو اس کی وفاؤں پہ کرم کر یارب

خالق دو گناہوں کا اشارا کہیئے!
انساں کے گناہوں کا کفارا کہیئے
پوچھے جو کوئی موت کی تعریف رتن
ہستی کے سمندر کا کنارا کہیئے

محرومئی تقدیر کا نقشا ہوں میں
ناکام تمنا کی تمنا ہوں میں
ناچیز پہ بخشش کی نظر کر یا رب
عاصی ہی سہی بندہ تو تیرا ہوں میں

اُلفت کی حکایات کو دھوکا سمجھو
ہر رشتے کو ٹوٹا ہوا رشتا سمجھو
حالاتِ زمانہ یہ بتاتے ہیں رتن
اپنے کو بھی دُنیا میں نہ اپنا سمجھو

ظاہر کی محبت کو فسانہ کہیئے
الفاظِ ملائم کو بہانہ کہیئے
جب جسم بھی اپنا نہیں اپنا ہرگز
کس مُنہ سے بیگانے کو بیگانہ کہیئے

ہر وقت کی اُفتاد خدا نے بخشی
یہ دولتِ بیداد خدا نے بخشی
ایسے میں زباں پہ ہے اُسی کا چرچا
یہ پاک تریں یاد خدا نے بخشی

محتاج سا جینا بھی کوئی جینا ہے
بے سُود خوشامد سے بھرا سینا ہے
ناکامئی پیہم نے نہ پہلو بدلا
ہر وقت وہی خوف جگر بینا ہے

طوفان میں آسائشِ ساحل پائی
ذرے میں نہاں وسعتِ منزل پائی
جس دن سے رتن دیدۂ بینا پایا
ہر شے میں وہی ہستیِ کامل پائی

دیکھی ہے فنا ہو کے بقا کی صُورت
پائی ہے جفا سہہ کے وفا کی صُورت
دیکھے بھی کوئی چشم حقیقت سے رتن
انسان کی صُورت ہے خدا کی صُورت

پھر چشمِ طلب آج کہاں لائی ہے
دل جلوۂ منتور کا سودائی ہے
ذراتِ رہِ شوق چمک اٹھے ہیں
اے رہ نما کس کی یہ رعنائی ہے

تزویر ہے۔ دھوکا ہے۔ ریا ہے پیسہ
اس پر بھی دل وجاں سے سوا ہے پیسہ
انسان بکا جاتا ہے اس کی خاطر
سچ یہ ہے کہ دنیا کا خدا ہے پیسہ

جینے پہ ہر اک شخص فدا ہوتا ہے
ہر دل میں یہی نقش جما ہوتا ہے
ہشیار رہو جینے پہ مرنے والو
یہ جینا ہی پیغامِ قضا ہوتا ہے

ظاہر میں تو تصویرِ فنا ہے بندا
باطن میں مگر حسنِ بقا ہے بندا
کھل جائے اگر اس کی حقیقت اس پر
بس پھر تو رہِ شانِ خدا ہے بندا

ہر حال میں مجبور ہیں دُنیا والے
ایسے میں بھی مغرور ہیں دنیا والے
دُشوار ہے دُشوار حصولِ مقصد
منزل سے بہت دُور ہیں دُنیا والے

آفات کا گہوارہ ہے ہستی میری
ویرانے سے ویران ہے بستی میری
اس پر بھی رتن دل کو سکوں حاصل ہے
حیران ہیں سب دیکھ کے مستی میری

تکوین کا کیا رنگ جمایا تو نے
قدرت کا عجب کھیل دکھایا تو نے
اس بات میں کیا بات چھپی ہے یارب
انسان کو انسان نہ بنایا تو نے

تقدیر کے چکر میں پڑی ہے دنیا
تدبیر کی چوکھٹ پہ کھڑی ہے دُنیا
بھولے سے رتن اس پہ بھروسہ نہ کرو
سچ یہ ہے کہ مکار بڑی ہے دُنیا

توحید میں تکثیر نظر آتی ہے
تکفیر میں تکبیر نظر آتی ہے
جب دیکھتا ہوں دوست کی تصویر رتن
بس اپنی ہی تصویر نظر آتی ہے

دُنیا کو جو دیکھا ہے تو عقبیٰ دیکھو
چڑھتے ہوئے دریا کو اُترتا دیکھو
کس حال میں ہیں راہِ عدم کے راہ رو
عبرت کی نگاہوں سے یہ نقشا دیکھو

اعمال کے انجام کا نقشا دیکھو
خود کردہ گناہوں کا کفارا دیکھو
عیاشیٔ دُنیا کے مزے تو لوٹے
عقبیٰ کی عقوبت کا تماشا دیکھو

ہستی کی تمنا ہے تو ہستی کو مٹا
پردے میں فنا ہی کے ہے مستور بقا
آنکھیں ہی ترِی پردہ حائل ہیں رتن
باطن کی نظر کھول کے پردے کو اُٹھا

افسوس زمانے کا چلن اسفل ہے

اخلاق ہے معدوم حیا باطل ہے

بھگوان کا مل جانا تو دشوار نہیں

انسان کا ملنا ہی بہت مشکل ہے

میں موردِ آزار ہوں سب سے بڑھکر

والبتۂ ادبار ہوں سب سے بڑھکر

ایسے میں مجھے یہ تو بتا دے یارب

کیا میں ہی گنہ گار ہوں سب سے بڑھکر

بھولے سے بھی جینے میں نہ راحت دیکھی

ہر سمت مصیبت پہ مصیبت دیکھی

جب موت کی آغوش ہم آئے رتن

ہر ایک نے آرام کی صورت دیکھی

خوش رنگ ہے خوش بوش ہے باغ ہستی

پُر نور ہے - پُرضو ہے - چراغ ہستی

مجھ سے جو کوئی اسکی حقیقت پوچھے

ہے زہر سے لب ریز ایاغِ ہستی

گو عرشِ بریں پر ہے دماغِ ہستی
ملتا ہے عدم ہی میں سُراغِ ہستی
ہستی کی بہاروں پہ نہ جانا ہرگز
دراصل خزاں دیدہ ہے باغِ ہستی

پُرکیف ہے ظاہر میں شرابِ ہستی
اعجاز ہوا کا ہے۔ حبابِ ہستی
ہستی کی رعونت ہے فقط اک دھوکا
پیری سے بھی بدتر ہے شبابِ ہستی

ادراک سے بالا ہے کتابِ ہستی
اسرار کا مخزن ہے نصابِ ہستی
ہستی کی بقا اک چھلاوا ہے رتن
تعبیرِ فنا رکھتا ہے خوابِ ہستی

ناکامئ پیہم ہے مقدر میرا
مایوسئ پُرغم ہے مقدر میرا
اشکوں کی روانی ہے کہانی میری
اک دیدۂ پُرنم ہے مقدر میرا

افسوس ہمیں حرص و ہوا نے مارا
لذات کی بے بود ضیا نے مارا
اس پر بھی یہ الزام تراشی توبہ
کہتے ہیں رتن ہم کو خدا نے مارا

اعمال میں پوشیدہ ہے رازِ قسمت
یعنی کہ بشر آپ ہے سازِ قسمت
کردار کی پہچان ضروری ہے رتن
ہے اس میں نہاں سوز و گدازِ قسمت

مورخہ ۱۳ دسمبر ۷۱ء سوم والہ جناب شاد سری ہرگوبند پوری کی طرف سے
سبیل ڈاک کمبل ملا پارسل دیکھ کر ذیل کی رباعی فی البدیہہ موزوں ہو گئی ۔

بھیجا ہے مجھے شاد نے اعلیٰ کمبل
کشمیر کے دوشالہ سے بڑھیا کمبل
میں دیکھ کے ہر تار کو کہتا ہوں رتن
ہے خلعتِ پُر زر یہ سنہرا کمبل

ذیل کی ہندو رباعیات بزم ادب "کلا درپن چنڈی گڑھ" کے زیر اہتمام اند جناب جے سی اگروال آئی اے ایس چیف کمشنر صاحب چنڈی گڑھ کی زیر صدارت منعقدہ مشاعرہ میں بتاریخ ۱۸ مئی شمہء کو فی البدیہہ پڑھی گئیں۔

نظارہ کیا آج کلا درپن کا
بھرتی ہے کلا باج کلا درپن کا
دیتا ہے دعا ذرہ نوازی پہ رتن
یوں ہی مَن پہ رہے راج کلا درپن کا

ہیں جلوہ فگن چیف کمشنر صاحب
سالارِ وطن چیف کمشنر صاحب
اعجاز ہے اک یہ بھی کلا درپن کا
آئے ہیں رتن چیف کمشنر صاحب

چار ابرو میں ترے حیراں ہیں سارے خوش نویس
کس قلم کا قطعہ ہے یہ کاتبِ تقدیر کا

(آتشؔ لکھنوی)

قِطعاتِ اُردو

اِس حصّے میں چند ایسے قطعات بھی ہیں جو انداز نظرؔ میں قطعی نامکمل اشاعت پذیر ہوئے - لہذا ان کو یہاں مکمل صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

قطعہ تاریخ وفات حضرت صفا جالندھری (دھانیوال)

آج دنیا سے صفا صاحب اُٹھے - محفلِ اردو نہ کیوں ہو دل فگار
شاعری پر اُن کو سو سو ناز تھا - شاعری کو اُن پہ سو سو افتخار
غم گساری اُن کا وصفِ خاص تھا - پھر نہ پیدا ہوں گے ایسے غم گسار
رہ گئیں سر پیٹ کر سب حسرتیں - آرزوئیں پھر رہی ہیں سوگوار
غم زدہ بچوں کو ڈھارس کون دے - کس طرح ہو بیوہ کے دل کو قرار
اک طرف انسانیت صرفِ بکا - اک طرف روحانیت ہے اشکبار

فردِ غم میں تو بھی کہہ دے اے رتن
چل بسا اُف شاعری کا تاجدار

۱۳۸۸ ہجری

قطعہ تاریخ وفات حضرت جوش ملسیانی مرحوم

جوش صاحب آج دنیا سے اُٹھے ہیں - اِس خبر سے غم زدہ سارا وطن ہے
یاس چھا جائے کیوں نہ بزمِ شاعری پر - انتقالِ خسروِ ملکِ سخن ہے
فصلِ گل رخصت ہوئی آئی خزاں اب - سونا سونا گلستانِ علم و فن ہے
اُن کے ہر ہر لفظ میں ہے دلنشینی - مصرع مصرع سے ہویدا بانکپن ہے
ہے غزل سرچشمۂ حسنِ ملاحت - نظم سرتا پا فصاحت کا مین ہے
نذرِ اردو کر چکا جن کی زندگی ہے - آہ اُن کی موت کتنی دل شکن ہے
اے رتن تاریخِ رحلت اِس طرح کہہ - ہائے مرگِ جوش تو مرگِ سخن ہے

۱۹۷۶ عیسوی

قطعہ تاریخی نام فرزند نور شاہ

خُدا نے نور شاہ کو عطا کیا حسین پسر - چہار سمت سے اُٹھی ہے اب صدائے مرحبا
رتن نے اُسکے انتخابِ اسم پر جو غور کی - "سخاوت الرسولؐ" کا زباں پہ نام آ گیا!

۱۳۹۴ ہجری

قطعہ تاریخ طباعت یادگار نامہ
جو بہ تقریبِ جشنِ شائق پیش ہوا

مہرِ نیمروز بیں ہے شائق کا نامِ نامی - جن کا کلام پایا سرمایۂ بلاغت
پروردہ شاعری میں ہے ساحری کا منظر - سرشار ہر نظر ہے سرمست ہر طبیعت
یہ شانِ نغز گوئی یہ حسنِ حرب جوئی - ہر لفظ میں حلاوت ہر شعر میں ملاحت
رازِ دنیا بھی ہے سوز و گداز بھی ہے - حسنِ مجاز میں ہے رعنائی حقیقت
عرفانیات میں ہے وحدت کا بھی جلوہ فرما - ملتی ہے ہر قدم پر وحدت برنگِ کثرت
ہر حرف انگبیں ہے ہر مصرعِ دل نشیں ہے - قربان ہو رہی ہے شیرینی و سلاست
جوش و اثر کا شہرہ نزدیک و دور پھیلا - یہ سن کے جاگ اٹھی احباب کی محبت
وہ یادگار نامہ نذرانے کے آئے - محفل میں ہو رہا ہے جو آج پیش خدمت
یہ دیکھ کر رتن بھی بے ساختہ پکارا - ہے یادگار نامہ زورِ خلوص و رافت

۱۹۷۳ عیسوی

قطعہ تاریخ طباعت "ریاضِ نسیم"

دیوانِ اوّل حضرت نسیم نور محلی مرحوم

(مرتبہ جناب رشی پٹیالوی)

پھر دل میں کیوں نہ جوشِ مسرت ہو موج زن
فردوسِ نگہ شوق "ریاضِ نسیم" ہے

پورا کیا ہے قول جناب رشی نے آج
یہ حُسنِ کام یابیٔ عزمِ صمیم ہے

ہر شعر میں ہے دردِ محبت کی چاشنی
آئینہ دارِ حسن کلامِ نسیم ہے

گلزارِ پُر بہار ہے رنگینیٔ بیاں
لطفِ زباں کو کہئے کہ بادِ شمیم ہے

یہ سادگی و جوش، ملاحت یہ دل کشی
یہ رفعتِ خیال توفیقِ کریم ہے

پتھر زمین بھی یہاں گل ریز ہو گئی
دیکھو یہ سحر کاریٔ طبعِ سلیم ہے

تاریخ نے بھی کی ہے حقیقت عیاں رتن
سچ مچ کیا رشی نے یہ کارِ عظیم ہے

۱۹۷۸ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات حضرت نسیم نورمحلی مرحوم

کر گیا رحلت نسیم خوش بیاں - ہو گئی بزم سخن صرفِ محن
وہ علم بردارِ رنگِ داغ تھا - پھر فصاحت کیوں نہ ہو زیرِ کفن
فن پہ وہ سو جان سے قربان تھا - اُس پہ تھا قربان صدقِ دل سے فن
حاصلِ محفل نہیں محفل میں آج - غم زدہ ہے انجمن کی انجمن
ہو گئی تاریک دُنیائے ادب - بجھ گئی افسوس شمعِ علم و فن
اقربا کی آہ و زاری دیکھئے - اُف قیامت ڈھا گیا چرخِ کہن
شور و شیون ہے قیامت آفریں - بن گیا ہے گھر کا گھر دارالمحن
کس قدر بے دَرد ہے بے رحم ہے - آہ ظالم موت کا ناوک فگن
مصرعِ تاریخ کہہ دے یوں رتن - مرگیا اُف آج اک فخرِ سخن

۱۹۶۷ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات حضرت آبر احسنی گنوری مرحوم

آہ پھوٹی قسمتِ اُردو زباں - چل بسا ہے ابر سا اُستادِ فن
بزمِ شعر و شاعری برہم ہوئی - رو رہی ہے انجمن کی انجمن
سُن کے مرگِ نازشِ ہندوستاں - سوگ میں بیٹھے ہیں سب اہلِ وطن
اک طرف نالاں ہیں بیٹے بیٹیاں - اک طرف احباب ہیں وقفِ محن
فن کی اُلجھن کون سلجھائے گا اب - کون سمجھائے گا اسرارِ سخن
کس کا خط آئے گا اب گنور سے - کون لکھے گا مجھے "بھائی رتن"

حشر تک روئے گی دُنیا ابر کو - موت اُس کی کس قدر ہے دل شکن
ایک ساتھی داغِ فرقت دے گیا - کیوں نہ ہوں پژمردہ سب اربابِ فن
اے رتن لکھ دے یہ تاریخ وفات - مر گیا جانِ ادب شانِ سُخن

۱۳۹۳ ہجری

قطعہ تاریخ ولادت فرزند نورشاہ

نُورشہ کو مل گیا نُورِ بصر - ہر دلِ پُرشوق عشرت خیز ہے

شادمانی ناچتی ہے ہر طرف - گلشنِ جذبات عنبر بیز ہے

ہے لب احباب پر صد مرحبا - گرم اب بزمِ نشاط انگیز ہے

چھڑ گئے نغمے مبارک باد کے - مطربوں کا دل طرب آمیز ہے

بھر گئی ہیں سائلوں کی جھولیاں - دستِ نوری یوں سخاوت ریز ہے

اے خدا ننھے کو دے عمرِ خضر - ہر صدائے دل دُعا آمیز ہے

تو بھی کہہ سالِ ولادت اے رتن - اب یہ باغِ زندگی گلریز ہے

۱۳۹۴ ہجری

قطعہ تاریخ وفات

جناب کرنل موہن مالک بریوری سولن

کیوں نہ غمگین ہو سارا بھارت — آج ہے رحلتِ کرنل موہن

چل بسا باعثِ رونق افسوس — سُونی سُونی ہے فضائے سولن

بے سہاروں کا سہارا نہ رہا — اِن کا سینہ ہے الم کا مسکن

اپنے بیگانے سبھی روتے ہیں — پارہ پارہ ہے سکوں کا دامن

نہ رہا حاتمِ دوراں نہ رہا — لُٹ گیا جُود و سخا کا گلشن

عیش و راحت کا ستارا ڈوبا — کیوں نہ ہر دل ہو خوشی کا مدفن

کہہ رتن تو بھی تو سالِ رحلت — باغِ جنت میں ہے کرنل موہن

۱۹۷۲ عیسوی

قطعہ تاریخ اشاعت دیوانِ شاطر (چاند اور روٹی)

چاند روٹی کی اشاعت سے یہ لب پہ آیا — مضطرب دل کا ہے دم ساز کلامِ شاطر

روح پھونکتی ہے تنِ مردہ میں اکثر اس نے — سن لکھا ہے عیسوی اعجازِ کلامِ شاطر

دردمند دل کے دلی درد کا درماں ہے یہ — بے سہاروں کی ہے آواز کلامِ شاطر

اس کا ہر لفظ ہے پیغام سکونِ عالم — چشمِ پُرنم کا ہے ہمراز کلامِ شاطر

درد سینے میں چھپا رکھا ہے دنیا بھر کا - سوزِ الفت کا کہو ساز کلامِ شاطر
جوشِ تاثیر و ملاحت ہے نمایاں ہر جا - فن کا ہے مایۂ صد ناز کلامِ شاطر
دیکھئے مصرعۂ تاریخ بھی کہتا ہے رتن - مہر باہم کا ہے غماز کلامِ شاطر

۱۹۷۸ عیسوی

قطعہ تاریخ طباعت "ہندی کے مسلمان شعرا"

خالقِ کون و مکاں کا شکر ہے - آج ہے میری تمنا باریاب

ایک مدت سے تھا جو وجہِ خلش - وہ ہوا شرمندۂ تعبیرِ خواب

حضرتِ سرور کا ہے لطفِ عظیم - کر دیا ناکام کو بھی کامیاب

یہ سخا - یہ جود - یہ حسنِ عطا - پا لیا ہے دونوں عالم کا ثواب

رحم کھایا ہے مری افتاد پر - ان کا ایثار و کرم ہے لاجواب

دستگیری کی ہے میری آپ نے - دے رہا ہے دل دعائیں بے حساب

ناز کیوں نہ ہو مجھے تقدیر پر - مہرباں ہے سرورِ عالی جناب

کہہ دے یوں سالِ اشاعت اے رتن - فیضِ سرور سے چھپی اعلیٰ کتاب

۱۹۸۰ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات

حضرت عرش ملسیانی مرحوم

آج دنیا سے اُٹھا افسوس ہے ۔ عرش ایسا شاعر شیریں نوا
شعر گوئی شعر خوانی ہو چکی ۔ شاعری کا بول بالا ہو چکا
فن شناس و ناقد و عالم تھا وہ ۔ اُس پہ خود اُردو زباں کو ناز تھا
ہو گئی تاریک دنیائے سخن ۔ بن گئی بزم ادب ماتم سرا
کہہ دے یوں تاریخِ رحلت اے رتن ۔ عرش دیکھو فرش میں اب مل گیا

۱۳۹۹ ہجری

قطعہ تاریخ وفات

پریم وار برٹنی صاحب مرحوم

آہ اردو زباں کا مقدر ۔ پریم سا خوش نوا چل بسا اب
کہہ دو تاریخ رحلت رتن یوں ۔ اک چراغِ سخن بجھ گیا اب

۱۹۷۹ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات

رتنؔ پنڈوروی مصنف کتاب ہذا

موت آئی خوش نصیبی ساتھ لیکر ۔ زندگی کی زحمتیں کیوں سرنگوں ہے

کہہ دے تاریخ اپنی رحلت کی رتنؔ اب ۔ موت کی آغوش ہی کامل سکوں ہے

سمت ۲۰۴۰ بکرمی

قطعہ تاریخ وفات

پنڈت میلا رام صاحب وفاؔ

بزم دنیا سے اٹھے حضرت وفا ۔ غم زدہ ہے انجمن کی انجمن

کہہ رتنؔ تاریخِ رحلت اس طرح ۔ آج سنسان ہو گیا باغِ سخن

۱۹۸۰ عیسوی

قطعہ بیاد جناب کرنل موہن صاحب مرحوم (در صفت توشیح)

ک — کل میں سویا دن کا ہارا - خواب میں دیکھا خواب روشن

ر — روحِ اقدس محفل آرا۔ ساتھ میں سب ارکانِ پُرفن

ن — نوری پردہ جو اٹھا تھا - نور میں ڈوبا خلد کا گلشن

ل — لحنِ شیریں سے ہاتف نے - پوچھا ایک سوالِ احسن

م — مردِ کامل کون ہے ایسا - جس کا دل ہو حق کا مسکن

و — واصلِ اللہ جس کا رتبا - نورانی ہے جس کا باطن

ہ — ہر قدسی ہے جس کا مادح خلد ہے جس کے زیرِ دامن

ن — ناز سے بولے اہلِ محفل - کرنل موہن، کرنل موہن

کرنل موہن

چند سادہ قطعات

کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی - ایسی قسمت بھی کوئی قسمت ہے
یاسِ پیہم کا نام ہے دنیا - زندگانی مقامِ حسرت ہے

نکتہ دانی ہے چشمِ بینا کی - کثرتوں کا مآل وحدت ہے
مجھ کو منزل کی جستجو کیوں ہو - میری صورت ہی تیری صورت ہے

حسنِ دلکش سے آشنا ہے نظر - سر بسر ہے وہ نور کا عالم
ہر قدم پر برستی ہے حیرت - ذرہ ذرہ ہے طور کا عالم

فاقہ مستی ہے تنگ دستی ہے - شادمانی ہے کیا غریبی میں
داروگیرِ جہاں سے کیا مطلب - خوش نصیبی ہے بد نصیبی میں

بے قراری ہے اضطراری ہے - آج تک ہوں کسوں سے بے گانہ
لوگ دیوانہ مجھ کو کہتے ہیں - میں سمجھتا ہوں خود کو فرزانہ

عمر بھر غم سے رہائی نہ ملی - دل میں راحت کو رسائی نہ ملی
ہم خدا ہو سے خدائی کیلئے - لیکن افسوس خدائی نہ ملی

ایک رنگین خواب ہے دنیا - آپ اپنا جواب ہے دنیا
ہم نے دنیا کو خوب پرکھا ہے - سخت مطلب مآب ہے دنیا

قابل احترام ہیں دونوں - دیر و کعبہ میں امتیاز نہیں!
دیدۂ راز آشنا کے لئے - سب حقیقت ہے کچھ مجاز نہیں

بے سکونی ہے بد گمانی ہے - شورش دار و گیر ہے دنیا
راحت دل ہو کسطرح حاصل - خواہشوں میں اسیر ہے دنیا

فیضِ باری تو عام ہے لیکن - اپنا اپنا نصیب ہوتا ہے
ایک ہی باپ کے ہوں دو بیٹے - اک امیر اک غریب ہوتا ہے

اُٹھتی موجوں سے گزرنا سیکھو - تہ نشیں ہو کے اُبھرنا سیکھو
اے رتن دہر میں جینا ہے اگر - موت کے گھاٹ اُترنا سیکھو

کون کہتا ہے میں نہیں پیتا - سیر ہو کر شراب پیتا ہوں!
حسنِ دلکش ہے میکدہ میرا - دن رات بے حساب پیتا ہوں

راز سے ناآشنا ہوتے ہوئے دیکھا کیا - آگے آگے میں چلا میرے پیچھے پیچھے موت ہے
آشنائے راز ہو کر اب عجب عالم میں ہوں - پیچھے پیچھے میں چلا میرے آگے آگے موت ہے

پُر درد ہے دل اور ہیں مایوس نگاہیں - مسدود ہیں ہر سمت سے اُمید کی راہیں
کچھ رحم کر اے عیش کی منزل کے مکینو - واللہ بُری ہوتی ہیں مظلوم کی آہیں

بیمار کے اندوہ کو بیمار ہی جانے ۔ زنداں کی مصیبت کو گرفتار ہی جانے
ناصح تجھے آزارِ محبت کی خبر کیا ۔ ہاں اسکو کوئی خوگرِ آزار ہی جانے

ذیل کا قطعہ ۲۶ رمئی ۱۹۷۲ء کو مشاعرہ شملہ میں جناب رام لال برادھی صاحب چاند کلوئی وزیر جنگلات ہماچل پردیش صدر مشاعرہ کی شان میں فی البدیہہ پڑھا گیا۔

شملے میں پھر سے گرم ہوئی محفلِ سخن ۔ چاند نگار آ گئے نزدیک و دور سے
میں بھی جناب چاند کے دیدار کو رتنؔ ۔ آیا ہوں اس بہشت میں گوبند پور سے

کون کس کا ہے اِس زمانے میں ۔ کس کے دل میں ہے دردِ انسانی
آپا دھاپی ہے چھینا جھپٹی ہے ۔ زندگی ہے فقط پریشانی

ڈبو دیتا ہے غیر دل کا سہارا ۔ پرائی آس پر جینا برا ہے
بھروسہ غیر پر رکھو نہ ہرگز ۔ یہ میٹھا زہر ہے پینا برا ہے

میرے والد اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہ جہان پوری کی شاعری کا
دور نصف صدی تک جاری رہ کر ۱۹۵۹ء میں ان کے انتقال پر ختم ہوا
یہ وہ زمانہ تھا جب حضرات داغؔ و امیرؔ کے بیشتر تلامذہ لقید حیات تھے
ان دونوں باکمال اساتذہ کے بلند پایہ شاگرد یکے بعد دیگرے ان کے
جانشین قرار دیئے جاتے رہے۔ اور حضرت دلؔ شاہ جہان پوری بھی اپنے
اُستاد جناب امیرؔ مینائی کے جانشین تسلیم کئے گئے۔

حضرت دلؔ

. . . . . کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اور ان میں سے اکثر
نے مشقِ سخن سے اردو شاعری میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ اور ان کے متعدد
مجموعے شائع ہوئے اور ادبی حلقوں میں مقبول ہوئے۔ حضرت عابدؔ
شاہ جہان پوری۔ نفاؔ جالندھری۔ رتنؔ پنڈوروی۔ مشیرؔ جھنجھانوی۔ شبنمؔ
رومانی۔ ثانیؔ جاوید اور نسیمؔ شاہ جہان پوری۔ عبرتؔ صدیقی بریلوی۔
ایسے استاد حضرت دلؔ کے تلامذہ میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔
اور ان میں سے ہر ایک کا اپنا ادبی مقام ہے۔ حضرت دلؔ نے اپنی
زندگی میں جناب عابدؔ شاہ جہان پوری کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔
لیکن اپنے استاد کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد وہ ہمارے درمیان
سے اٹھ گئے۔
جناب رتنؔ پنڈوروی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کے متعدد شعری

مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ جو ادبی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ پنجاب میں خاص طور پر ان کو ایک نہایت معتبر شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر وقتاً فوقتاً وہاں ان کو مختلف اعزازات سے نوازا گیا۔ اور حال ہی میں ابو البلاغت کے خطاب سے ان کی عزت افزائی کی گئی۔ پنجاب میں اردو زبان کی مقبولیت کی یہ واضح دلیل ہے۔

شاعری میں جناب رتن برسوں سے اُستادانہ مہارت رکھتے ہیں۔ غزل۔ نظم۔ رباعیات اور فنِ تاریخ غرضیکہ صنفِ سخن کے قادر الکلام شاعر ہیں۔ لیکن ان ساری ادبی اور فنی بلندیوں کے باوجود جناب رتن نے اپنے اُستاد مرحوم کی حیات میں کبھی اپنے کو مشورۂ سخن سے بے نیاز نہیں سمجھا اور ان کی وابستگی اپنے اُستاد سے بدستور برقرار رہی اور آج بھی اپنے اُستاد سے ان کا روحانی تعلق برقرار ہے۔ اور ان کی عقیدت اور شگفتگی میں کسی طور پر کمی نہیں۔

جناب رتن تلامذہ حضرت دل میں اِس وقت سب سے زیادہ کہنہ مشق شاعر ہیں اور ہمارا عتبار سے اس اعزاز کے مستحق ہیں۔ کہ ان کو جانشین حضرت دل قرار دیا جائے۔ چنانچہ میں دیگر عقیدت مندانِ حضرت دل کی متفقہ رائے سے جناب رتن کو جانشین حضرت دل مرحوم تسلیم کرتا ہوں۔ خدا حضرت رتن کی عمر میں درازی عطا کرے اور ان کی صحت برقرار رکھے کہ وہ تا دیر اردو زبان و شاعری کی خدمت انجام دیتے رہیں اور تشنگانِ ادب ان سے سیراب ہوتے رہیں۔

شبیر حسن خاں، بی اے ایل ایل۔ بی وکیل، شاہجہانپور۔ ۹ اپریل ۱۹۸۱ء